

واصف علی واصف



شب پورغ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاصِفِ عَلٰی وَاصِفِ

شَبِّحَ بِجِرَاعِ

شبِ پیرِ غم

واصف علی واصف

ناشر:

کاشف نیپلی گیشنز

۳۰۱۔ اے جوہر ٹاؤن لاہور، فون: ۴۳۸۰۰۵۳۰

جملہ حقوق محفوظ ہیں

84119

شب چراغ

نام کتاب

واصف علی واصف

مصنف

کاشف پبلی کیشنز

ناشر

۳۰-۱، جی ہرٹاؤن، لاہور (پاکستان)

فون: ۵۳۰۰۲۳۸

محمد حنیف رامے

سرورق

زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

200 روپے

قیمت

علم و ادب

ڈسٹری بیوٹرز:

الکریئم مارکیٹ اردو بازار لاہور

انتساب

والدین کے نام

جن کی دُعاؤں کی بدولت میں
”شب چراغ“ پیش کر رہا ہوں

فہرست

یم بہ ایم

- ۱۵ _____ حمد باری تعالیٰ، یا الہی تو کار ساز و کریم
- ۱۸ _____ بارگاہِ صمدیت میں تو ایک قلمِ رحمت و وسیع و بے پایاں
- ۲۱ _____ بعد از خدا بزرگ توفیٰ یا نبی تیرا کرم و درکار ہے
- ۲۳ _____ میسلا دلہنی: مبارک اہل ایمان کو کہ ختم المرسلین آئے
- ۲۶ _____ معراج کی رات! باہم اقصیٰ سے چلا رشکِ قرآن کی رات
- ۲۹ _____ شیرِ زوان! علی مولائے زندان جہاں ہے
- ۳۲ _____ لافقی.... بس رہی ہے فضاؤں میں خوشبو
- ۳۵ _____ امام حسین! السلام اے نورِ اول کے نشاں
- ۳۷ _____ گنج بخش فیضِ عالم: السلام اے سیدِ ہجویرِ قطب الاولیاء
- ۴۰ _____ خواجہ جی! خواجہ ملن کی پیاس سے دل میں مینوں میں برساتیں ہیں!
- ۴۱ _____ خواجہ معین الدین: آفتابِ رُوسے احمد کی دہخندہ کرن
- ۴۲ _____ فرید الدین مسعود گنجِ شکر: جہد و زہد نہ سبیا گنجِ شکر! با فریہ
- ۴۵ _____ چل خسرو گھر اپنے....: میں ماٹی کی مورتی، ماٹی میرا دیس
- ۴۷ _____ کلیم بوذری: الخدر از حسب دنیا الخدر
- ۵۲ _____ مے شوق: تری شان بو ترابی، میرا ذوق ناک بازی
- ۵۳ _____ طاہر الاموتی: میں نعروں مستان، میں شوخی زندان
- ۵۵ _____ زندگی! زندگی اپنے لٹو کا نام ہے
- ۶۱ _____ کاروانِ حیات! کاروانِ زندگی پیہم رواں بنے صبح و شام

- نوائے راز : شب انتظار کی بات ہوں غم برقرار کی بات ہوں
 ۶۲ بندہ و بندہ نواز ، بنا چار تنکوں کا آشیاں کہ تڑپ تڑپ اٹھیں بجلیاں
 ۶۰ یوم شوکت اسلام : اے خوشایوم شوکت اسلام
 ۶۲ وطن کا مجسبہ : اسلام اے عظمت شان وطن
 ۶۵ میں کون ہوں - بادل ہوں : میں مجھوم کے اٹھا ہوں
 ۶۹ مسافر : فروداں انجمن سے جا رہا ہوں
 ۸۲ راتیں : (جماد کا تصور اتنی خاکہ) شرح و تلیل ہیں گیسوئے معنیر راتیں
 ۸۵ "جنون و خرد" : خرد کا اصل یہی ہے کہ بے رحیم و لعین
 ۹۲ قطعے : (۱) خرد کی موت بنی ہے (۲) خرد سحر ابستی ہے
 ۹۳ دُور کی آواز : آرہی ہے یہ دُور سے آواز
 ۱۱۱ بھنور اقبال : اسلام اے ملتِ سلامیہ کے جاں نثار
 ۱۱۳ قائدِ اعظم : آدیکھ ذرا رنگِ جمن قائدِ اعظم
 ۱۱۵ دُعا : الہی واسطہ رحمت کا تجھ کو

سخن در سخن

- ردائے شب سے ورا آفتاب تھے کتنے
 ۱۲۶ ظاہر میں گرچہ جسم مرابے خورشید سے
 ۱۲۸ گرد سفر میں قافلہ ملت کا اٹ گیا
 ۱۲۹ گلہ نہیں بنے اگر میں تری نظر میں نہیں
 ۱۳۰ رازِ دل آشکار آنکھوں میں
 ۱۳۱ آنکھ برسی تو بے بہا برسی !
 ۱۳۳ ہر شام گرچہ آئی نظر حوصلہ شکن
 ۱۳۲ جو لوگ سمندر میں بھی رہ کر رہے پیلے
 ۱۳۵ رستے میں اک شجر ہے زمیں پر پڑا ہوا
 ۱۳۶ ہر چہرے میں آتی ہے نظریار کی صورت
 ۱۳۷

- ۱۳۹ میں ہر اک موج کے بہاؤ بکھرنے والا
- ۱۴۰ چھوڑ کر جائز مجھے رنگ مدارات سمجھو
- ۱۴۱ ہر انسان یہی کتاب ہے، دیکھو تو اب کیا ہوتا ہے
- ۱۴۲ لب پہ آکر رہ گئی ہے عرض حال
- ۱۴۳ یہ روشنی ہے مانگی ہوئی آفتاب سے
- ۱۴۵ کب رات کٹے کب ہو سحر کہ نہیں سکتے
- ۱۴۶ کل تک جو کر رہے تھے بڑے حوصلے کی بات
- ۱۴۷ تو فیصلہ ترک ملاقات میں گم ہے
- ۱۴۸ کیا جلتی ہوئی ریت پہ ہم ڈھونڈ رہے ہیں
- ۱۴۹ سنگ در حبیب ہے اور سر غریب کا!
- ۱۵۰ نہ آیا ہوں نہ میں لایا گیا ہوں
- ۱۵۱ تیری نگاہِ لطف اگر مبسفر نہ ہو
- ۱۵۲ کبھی بلا کے کبھی پاس جل کے دیکھ لیا
- ۱۵۳ تنہا سفر میں یا میں کسی آنجن میں ہوں
- ۱۵۴ تیری طلب میں جاں بہ لب ہو گیا ہوں میں
- ۱۵۵ شام تو شام، صبح بھی ہے رات
- ۱۵۶ میں ایسے رنگ و بو پا بند آب و گل رہا
- ۱۵۷ ملا ہے جو مقدر میں رقم تھا
- ۱۵۸ پھر تجھے یاد کر رہا ہوں میں
- ۱۵۹ کیا سوچ کے آنے تھے تری بزم میں ہم آج
- ۱۶۰ زندگی سنگ دربار سے آگے نہ بڑھی
- ۱۶۱ ترے قریب ہوئے جب سے اشکبار ہوئے
- ۱۶۲ ہم غریبوں پہ عنایات، خدا خیر کرے
- ۱۶۳ دیے ہیں تو نے زمانے کو بھر کے جام و سبزو
- ۱۶۴ دوستو! دوستی کا نام نہ لو!

- ۱۶۵ زبان ہم ہیں ہمہ گوش و گفتگو ہم ہیں
- ۱۶۶ شکوہ تو نہیں بستی اگر وقت الم ہے!
- ۱۶۷ سنبھل جاؤ غمیں والو خطر ہے ہم نہ کہتے تھے!
- ۱۶۹ برقہ دل کشی بنے کیا کیے!
- ۱۷۰ کس قدر پابند ہے تھریری کی
- ۱۷۱ عجب اعجاز ہے تیری نظر کا
- ۱۷۲ اپنی بستی کو ہم الم سمجھے
- ۱۷۳ ذرا زلف برہم کے خم دیکھنا
- ۱۷۴ ستم ہوں گے مگر پیہم نہ ہوں گے
- ۱۷۵ شب بستی کٹی ہے مرمر کے
- ۱۷۶ کب اڑا لے گئی ہو امت پوچھو
- ۱۷۷ ترس خیال نے بخش تھی جو خوشی نہ رہی
- ۱۷۸ جذبات زیر گردش حالات سو گئے
- ۱۷۹ خالی پڑے ہیں جام کوئی بات کیجیے
- ۱۸۰ چمکتے جسم کے سحر کا اک سراپ ہوں میں
- ۱۸۱ نشاط رنگ و بو سے بے نیاز آرزو ہو کر
- ۱۸۲ میں آرزو سے دید کے کس مرتلے میں ہوں
- ۱۸۳ میرے سر پر جو ٹوٹا تھا
- ۱۸۴ اپنی محفل میں مجھے بلوائے دیکھ
- ۱۸۵ کون کسی کا اس دنیا میں کس نے پیت نہ جانی
- ۱۸۶ میں خود تلاطم قلم ہوں خود ہی دشت کی پیاس
- ۱۸۷ چمپوں کمان کہ میں ہوں راز جو برستی
- ۱۸۸ خیال تھا جس کی نکاہوں پہ عالم اسرار
- ۱۸۹ وہ نہیں ملتا جسے مانگا گیا!
- ۱۹۰ تلاش کرتا رہا دشت میں جسے آبرو

- ۱۹۱ ووجہ کردار کا مشالی ہے
- ۱۹۲ قیامت کس طرح آئی۔ اسے کوئی نہیں سمجھا
- ۱۹۳ وہ پاس تھا تو مجھے منزلیں دکھاتا تھا
- ۱۹۴ بول حرف نہ بنا، تقریر طولانی نہ کر
- ۱۹۵ رونقِ بومِ طرب، یاد نہ کر

کرن کرن

- ۱۹۹ شاہد و شہود : نور مجتہم، خلق سے پہلے
- ۲۰۲ اول و آخر : دانہ گندم، گناہِ اولیں
- ۲۰۳ بکت : یہ ایک لمحہ جہانِ نو کا پیامبر ہے
- ۲۰۴ تلاش : میں نوجو گریوں
- ۲۰۵ فیصلہ : ادھار سے ٹکے کر آیا
- ۲۰۶ ویک : خیال کی حد توں میں شب بھر
- ۲۰۸ صلابت : آفاقی تنویریں لے کر
- ۲۱۰ تکمیل : امن کیا ہے ؟
- ۲۱۱ تضاد : تجھے جین حق ہے، مجھے بھی حق ہے
- ۲۱۲ شہر سنگ : دل ہے — پتھر
- ۲۱۳ پرانے کاغذ : چھپے ہوئے آتشیں بنزیرے
- ۲۱۵ رشتہ : جھلس جھلس
- ۲۱۶ برقاس : پٹر چپ چاپ، مکان گنگ، فضا میں خاموش
- ۲۱۹ فرمائش : آخر اک دن

تن من
(متفرق اشعار)
دوہے

۲۲۳-۲۲۸ منی کنارے میں کٹھری جانا ہے اس پار

کلام نو

- ۲۳۱ _____ نعت : من رآنی کا مدعا چہرہ
- ۲۳۲ _____ باعثِ حریفِ دُعا یا دُنیں
- ۲۳۳ _____ دُور سے اڑ کے مرے دیس میں آئی مٹی
- ۲۳۴ _____ چاندنی رات میں کھلے چہرے
- ۲۳۵ _____ مرے جاں کا نصاب چہرے
- ۲۳۶ _____ دُور تک بنے مائیگی کا سلسلہ محسوس کر
- ۲۳۷ _____ روشنی، کائنات کی خوشبو
- ۲۳۸ _____ تاروں پہ ڈالنے کے لیے جو کندھی
- ۲۳۹ _____ چاند پانی میں یوں اتر آیا
- ۲۴۰ _____ آپ جس دن سے مہرباں ٹھہرے
- ۲۴۱ _____ رخصت کے وقت صبر کی تلقین کر گیا
- ۲۴۲ _____ مست پوچھ کہ میں کتنی بندی سے گرا ہوں
- ۲۴۳ _____ ہم نے اپنے دُور میں کیا کیا دیکھا ہے
- ۲۴۴ _____ قدم قدم پہ تھا اک مرحلہ، میں کیا کرتا
- ۲۴۵ _____ پھر نگاہوں کو یہاں بس ہے آجا
- ۲۴۶ _____ اس کا کیا اعتبار اب سو جا
- ۲۴۷ _____ میں نے انکار کے چہرے سے ہٹایا پردہ
- ۲۴۸ _____ خوشبو سے رنگ رنگ سے خوشبو نکال دے
- ۲۴۹ _____ وہ مرا ہم سفر ہو ممکن ہے
- ۲۵۰ _____ تلخی زبان تک تھی وہ دل کا بڑا نہ تھا
- ۲۵۱ _____ کیوں ٹوٹ گیا تارا؟
- ۲۵۲ _____ پنجابی کلام (انتخاب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
(نظمیں)

لا پھراک باروہی بادہ و جام نلے ساتی

ہاتھ آجاتے مجھے میرا مقام اے ساتی

(اقبال)

شب چراغ

حمدِ باری تعالیٰ

یا الہی تو کار ساز و کریم !
 بے نیازی تجھی کو زیبا ہے
 عالم شش بہت خنی و جلی !
 ہیں وجود و عدم تری تخلیق
 تیرے جلوے عیاں ہوتے ہر جا
 بے نیاز وجود نور ترا !
 عرشی و سرشی نوری و ناری
 گنجِ مخنی بھی آشکار بھی تو
 کب رسم ہو سکے ثنا تیری !
 کوئی ہمسرنہ بے شریک ترا
 تو نے بنجھا ہے سب کو ذوقِ نمود
 موجِ قلزم تری جب سال ترے
 اپنے اپنے مدار میں گرداں
 قلبِ مضطر کا تو تدار سکوں

مادراتے حدوث نور تدریم
 اول و آخر و خمیر و عظیم
 سب کا خالق ہے تو محیط و مقیم
 دم بدم ہر جگہ عیاں و عدیم
 رنگِ گل، شبنم و نسیم و شمیم
 آیتہ دیکھنے کو قلبِ سلیم
 جن دانساں کریں تری تعظیم
 ہو ازل یا ابد تری تسلیم !
 راقم اشجار ہوں بحورِ تسلیم !
 جو کرے دعویٰ وہ لعین و رجیم
 یہ کو اکب بتسم، یہ شمسِ عظیم
 ہفت افلاک و ارض کا ہے نعیم
 یہ نجومِ فلک، جمہیل و جسم
 تو ہے ستار تو غفور و رحیم

صورت و معنی ہیں کلام و کلیم
 منتقم تو ہے، تو نازل عظیم
 لقمہ نارِ موتِ سدہ ہو عنیم
 زندہ ہیں اس لیے کہ تو ہے کریم
 موربے مایہ ہو کہ فیصلِ شمیم
 آدمی ہے مگر ظلوم و خصیم
 تجھ کو سمجھے کوئی کہاں کا فہیم
 ذرہ ذرہ کے عزیز و حکیم
 ذاتِ اقدس تری زونِ رحیم
 اے شاہِ انس و جاں حکیم و حلیم
 دل سے ہوں دُور خواہشاتِ ذمیم
 صرف تیری لگن ہو عزمِ صمیم
 چاہنے والوں کو عطا ہو کلیم !
 تیرے باغی نہ ہوں امیر و لیم ؟
 دودھ پانی کی ہو ذرا تقسیم
 لوگ کرنے چلیں ہیں کچھ ترمیم

تو عیاں میں بہاں، نہاں میں عیاں
 تو ہی تہتا رو قادر و عجاہر !
 تیری ہی ہیبت سے کانپتا ہے جہاں
 کافر و مشرک و ہنود و یہود !
 جی رہے ہیں ترے سہارے پر
 تو بے رازق محافظ و مولا !
 عقل حیراں ہے فلسفہ گم ضم
 تیری تسبیح، کائنات کی خواہ
 تیرا احسان ہے بہ شکلِ نبی
 اپنے مجبوت کی محبت بخش
 معصیت معرفت میں ہو تبدیل
 خاک ہو جائے ناسوا کی طلب
 مومنوں کو لے نفعِ ان سحر !
 تیرے بندے نہ ہوں نحیف و غریب
 راہ بر کون، کون ہے رہزن ؟
 اپنے اسلام کی حفاظت کر !

شب چراغ

بچھ کو اپنے حبیب کی بے قسم! ہو عطا الفتِ نبیٰ کریم! ہم بھی دیکھیں ذرا وہی جلوے سامنے ہوں نظر کے طور و کلیم مرکز و محور و محبت و تقسیم حُسنِ احسن ہے احسن تقویم مندرِ عرش پر میسارِ کمان

شانِ مولا ہو کیا بیاں و اصف
اُس کا احسان ہے عظیم و قدیم

بارگاہِ صمدیت میں

تُو ایک قلزمِ رحمتِ وسیع و بے پایاں
میں ریگِ زارِ تمنا میں تشنہٴ باراں !
ترا جمال کہ ہے کائنات کی تنویر !
میں اکِ مہاجرِ شبِ تیرگی میں سرگرداں
تُو ایک راز کہ ظاہر بھی ہو تو پُرا سرار،
میں تیرے راز کا محرم میں تیرے فنِ کاشاں
تُو سامنے ہو تو چہن جاتے تابِ نظارہ
میں آئینے میں ہوں گمِ مشعلِ دیدہٴ حیراں

تُو لاما کماں کا کماں اپنی ذات میں تنہا !
مری شریکِ سفر کیوں ہو گردشِ دوراں
تُو وہ کہ تُو تے تے کھڑی تے ارض و سما
میں تیرہ شب میں تمنائے روزنِ زنداں
تُو خود قریبِ گِ جاں رہے تو بات الگ
میں ددرتی شبِ بھراں میں شورشِ گریاں
تُو ایک برقِ تجلی کہ ہر وجود میں تُو !
میں ایک سنگ کہ اپنے وجود میں لرزاں
تُو وہ قدیم کہ آغانہ ہے نہ بے انجام ،
میں وہ کہ حادث و فانی و بے خبرانساں
تُو ہر خیال کی رفعت سے ارفع و اعلیٰ !
میں لاؤں کون سے الفاظِ شان کے شایاں !
تُو آسکے تو مرے غم کی کائنات میں آ
میں آ گیا تیری چاہت میں اب کہاں کہاں
عجب نہیں تو مرے غمکدے میں آجاتے
عجب نہیں کہ مرے درد کو ملے درماں !

بجا کہ لطفِ دکر مے بے کنارے تیرا !
بجا کہ مجھ کو بے احساسِ تنگیِ داماں !

نگاہِ فکر سے پردے اٹھا مرے مولا ،

سیرِ فلک بھی دھواں ہے سیرِ نظر بھی دھواں

تجھے بے واسطہ تیری بقائے مطلق کا ،

مرے وطن کی بقا کا بھی کچھ تو ہو سا ماں !

تُو ہی بتا کہ تجھے کیا مکے ترا و اصف !

ملے زبان کو دل ، یا عطا ہو دل کو زباں !

بعد از خدا بزرگ توئی

یا نبی تیسرا کرم در کار ہے
آزمائش میں مرا کردار ہے
دشمنانِ دین کے زخے میں ہوں
حادثاتِ دہر کی یلغار ہے !
یا حبیب اللہ تیسرا ذکر بھی !
آج کے ماحول میں دشوار ہے
ہر نظر سہمی ہوئی ہر دل اُداس
زندگی اب زندگی پر بار ہے

عہدِ ماضی میں جو اُمت نئی چٹان
آج وہ گرتی ہوئی دیوار ہے
دین پر دُنیا مسلط ہو گئی،
تیری اُمت بے کس و نادار ہے
دین کی خاطر بلا تھا یہ وطن!
دین کا آئین ہی درکار ہے
دین کیا ہے تیری اُلفت کے ہوا
دین کا بس اک ہی معیار ہے

تُو نظر پھیرے تو طوفاں زندگی!
تُو نظر کر دے تو بیڑا پار ہے!

84119

میلاد النبی

مُبَارک اہلِ ایماں کو کہ ختمُ المرسلین آئے
مُبَارک صد مُبَارک بانیِ دینِ مبیین آئے
مُبَارک ہو کہ دُنیا میں شہِ دُنیا و دیں آئے
چراغِ طور آئے، زینتِ عرشِ بریں آئے

کہ حُسنِ ذات، دینے کے لیے ذوقِ لقیں آئے
مُبَارک ہر جہاں کو رَحْمَةٌ لِلْعَالَمِینِ آئے

یہ روزِ گن سے بھی پہلے زمانے کی کہانی ہے !
دو عالم میں محمدؐ کا نہ تھا ثانی، نہ ثانی ہے !
فنا زیرِ قدم، اُن کی بقا پر حُکمرانی ہے !
مُحَمَّدؐ کے غلاموں تک کی ہستی جاودانی ہے !
سرِ اِپا عِشْقِ حَقِّ بِنِ کَر حَسِینوں کے حسین آئے
مُبَارک ہر جہاں کو رَحْمَةٌ لِلْعَالَمِینِ آئے

وہی حلم و ظلمت ہے مدثر ہیں مزمیل ہیں
 وہ کورنٹا بنی آدم کی تفسیر مکمل ہیں!
 امام الانبیاء ہیں، نور ہیں، انسانِ کامل ہیں
 خدا خود میرے مجلس ہے مستند شمعِ محفل ہیں!

دلوں کو نور دینے کے لیے نور میں آہتے
 مبارک ہر جہاں کو رحمتہ للعالمین آتے

دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا، سے آگے ہے مہتمم اُن کا
 کلامِ اللہ کی تفسیر ہے گویا کلام اُن کا
 حیاتِ جاوداں دیتا ہے دُنیا کو پیام اُن کا
 خدا ہی جانتا ہے کس قدر پیارا ہے نام اُن کا

گنہگار و نہ گنہگار اَوْ شَفِيعُ الْمَذْنِبِیْنَ آتے
 مبارک ہر جہاں کو رحمتہ للعالمین آتے

شب چراغ

درد دیوار طیبہ کے خوشی سے جھمکاتے ہیں
فضائیں رقص کرتی ہیں پرندے چھماتے ہیں
ملائک خُور و غلماں راہ میں آنکھیں بچھاتے ہیں
کہ سلطانِ زمانہ دہر میں تشریف لاتے ہیں

جبینِ آسماں جھکتی ہوئی سوتے زمیں آتے
مُبَارک ہر جہاں کو مَرَحْمَتُ لِلْعَالَمِیْنَ آتے

دو عالم کے دلوں کو نُور دیتا ہے جہاں اُن کا
یہ جاں اُن کی یہ دل اُن کا صفت اُن کی کمال اُن کا
یہ دن اُن کا چراغ اُن کے سراق اُن کا وصال اُن کا
غلامِ کمتریں واصفِ علی کو بے خیال اُن کا

مُحَمَّد کی غلامی میں قَلُوبُ الْعَاشِقِیْنَ آتے
مُبَارک ہر جہاں کو مَرَحْمَتُ لِلْعَالَمِیْنَ آتے

معراج کی رات

بامِ اقصیٰ سے چلا رشکِ سرِ آج کی رات
فرشِ رہ ہو گئی تاروں کی نظر آج کی رات
مِثْلُکُمْ ہی ہی انسان، مگر آج کی رات
عرشِ پر کرنے گیا ہے وہ بس آج کی رات
دھل گئے نور میں سب ارض و سما، کون سا مکان
لامکاں ٹھک ہوئی پروازِ بشر آج کی رات
"قَابِ قَوْسین" سے ادنیٰ ہے مقامِ محمود!
سرنگوں کر گئی ادراک کا سر آج کی رات
عشقِ بے تاب کی کیا بات ہے اللہ اللہ!
کھل گئے گنبدِ افلاک کے در آج کی رات
شبِ اسریٰ پہ ہوں قربان ہزاروں راتیں،
برہم، ہستی کی ہے تابندہ سحر آج کی رات
بے خبرِ رفعتِ آدم سے ہے جبریلِ امیں!
منزلِ سدہ ہوئی گردِ سفر آج کی رات

شب چراغ

مرحباً سیدِ مکی مدنی العسری !

عرش سے لائے دعاؤں کا اثر آج کی رات

خُن بے حدِ تعین سے در آج کی رات

چل دیا سوتے خُدا نُورِ خُدا آج کی رات

آج کی رات ہے تیکمیلِ عروجِ آدم

خُسنِ تخلیق پہ نازاں ہے خُدا آج کی رات

آگیا جوش میں رحمت کا سمندرِ امشب

گنجِ مخفی ہوا مائل بہ عطا آج کی رات

نہمت و نور میں ڈھلنے لگے لمعاتِ جمال !

چشمِ فطرت ہوتی حیراں بخُدا آج کی رات

دل دھڑکتے ہیں ستاروں کے قمرِ چشمِ براہ

حور و فلماں نے کہا ملّ علیٰ آج کی رات

خوشبوئے گیسوتے والیل سے مہکا عالم !

چشم "مازراغ" ہوتی جلوہ نما آج کی رات

بزمِ زنداں نہ ہوتی ورنہ یہ کہتا واصف

خُسنِ خود شوخیِ زندانہ ہوا آج کی رات !

دم بخود گردشِ افلاکِ زمیں آج کی رات
سرنگوں چاند ستاروں کی جہیں آج کی رات
جگمگاتا ہی رے عرشِ بریں آج کی رات
لامکاں میں ہوا انسان مکین آج کی رات!
شوقِ دیدار کی کیسا بات ہے اللہ اللہ
درمیاں نیم کا پردہ بھی نہیں آج کی رات
منزلِ سبدرہ سے آگے ہے مقامِ محمود
دیکھتے رہ گئے جب شریں میں آج کی رات
خُور و غلمانِ دلائم کی زباں پر آیا!
حُسنِ بے حدِ تعین سے حسیں آج کی رات
جانے والا ہے کبھی کہ بلانے والا!
کوئی اس راز کا ہمزاز نہیں آج کی رات
رفعتِ صاحبِ لولاک کوئی کیسا سمجھے
خاک پر گستی رہی عفتل جہیں آج کی رات
آج کی رات دعا مانگ رہا ہے واصف
کر عطار بتِ علی فتحِ مُبیں آج کی رات!

شب چراغ

شیرِ یزدان

علیؑ مولائے زمانِ جہاں ہے
علیؑ شیدا محمدؐ مصطفیٰ کا
علیؑ کی ضرب ہے ضربِ الہی
علیؑ کے ہاتھ کو کیسے یدِ اللہ !
علیؑ ہے کر بلاؤں کی حقیقت
علیؑ ساجدِ سلیؑ عبودِ مستی !
علیؑ کی یاد سے ہستی بہاراں ،
علیؑ شاہِ نجف شاہِ ولایت
علیؑ نورِ ہدیٰ کا رازداں ہے
علیؑ گویا مکینِ لامکاں ہے !
علیؑ کا نام نصرت کا نشان ہے
علیؑ "من کنتُ مولا" کا بیان ہے
علیؑ کی داستاں کیا داستاں ہے
علیؑ سجدوں کی عظمت کا نشان ہے
علیؑ سے بعض عرفاں کی خزاں ہے
علیؑ مولا، امامِ ہر زمان ہے

علی غالب علی ارض و سموات
 علی شکل کائنات بنوت !
 علی خیر مکن شیر الہی
 علی ہے واقف راز حقیقت
 علی داماد شاہ ہر جاں ہے
 علی باب حقیقت بے گماں ہے
 علی متارج قلب آسمان ہے
 علی شرع و طریقت کا بیان ہے
 علی لاریب میر کارواں ہے
 علی نے دین کو سچا ہو سے
 علی باغ نبی میں گلستاں ہے

علی کی عین کے گوہر زالے

علیٰ خود معنیٰ علم نہاں ہے

علیٰ قاری علی و تہ آن ناطق

علیٰ کا نور بر نوک سناں ہے

علیٰ ہے ساقی تسنیم و کوثر
 علیٰ ہے ہلافتی "لا سیف" والا
 علیٰ کو میں علیٰ کمدوں و لسیکن
 علیٰ کے فیض سے لاہور روشن
 علیٰ خود تشنہ لب تشنہ زباں ہے
 علیٰ لیکن رضا کا پاسباں ہے
 علیٰ بحد سے میں خود بیخ خواں ہے
 علیٰ کے دم سے اجمیری نشاں ہے
 علیٰ سے خسر و شیریں بیاں ہے
 علیٰ کی "لاٹ" ہی قطبی نشاں ہے
 علیٰ کا نام ہے کلیر میں صابڑ
 علیٰ کا ہی نظام دہلوی ہے

علیٰ خواجہ فرید الدین کی مسند
علیٰ کے نام سے مولائے رومی
علیٰ کا فتوہ ہے فخرِ محمدؐ ،
علیٰ ہے کاشفِ رازِ حقیقت
علیٰ ہے شارحِ شانِ نبوت !
علیٰ ہے مرکزِ پرکارِ ہستی
علیٰ سے اولیاء کی زندگی ہے
علیٰ پاکِ تمین کی جانِ جاں ہے !
علیٰ تبریز کا سترِ نہاں ہے !
علیٰ لجمِ لجمی جسم و جاں ہے !
علیٰ وحدت میں اک کثرتِ نہاں ہے
علیٰ کا نام ہی حُسنِ بیاں ہے !
علیٰ جب بھی جہاں ہے دُریاں ہے
علیٰ کی ذات، ہی روحِ دُراں ہے

علیٰ کی یاد ہے واصفِ علیٰ کو
علیٰ خود اس زمین کا آسماں ہے !

لافتی ---

بس رہی بے نضاؤں میں توشبو
پھر کھنکنے لگی ہیں جام و سبزو!
سوزِ دل سے چراغ جلتا ہے
دردِ غربت کہے میں پلتا ہے
اُن کا فیضِ نظر طابے مجھے!
اُن کی شفقت کا آسرا ہے مجھے
اُن کی مدحت مری مجال نہیں
ہے اُنہی کا، مرا کمال نہیں!

اُن کے ساتے سے پیار کرتا ہوں
جان اُن پر نشا رکرتا ہوں
جن کی ہیبت سے سزگیوں احنام
وہی مولا امام عالی مقام
وجہ عرفانِ اولیائے جہاں
زومیں ہیں جن کی لامکان و مکاں
نام جن کا علیؑ اسد اللہ
جن کا چہرہ بنا ہے وجہ اللہ
سوز ساز و سخن علیؑ مولا!
سایہ ذوالمن علیؑ مولا
رد رنج و محن، علیؑ مولا!
زینتِ انجمن، علیؑ مولا
میرے من کی لگن علیؑ مولا!
رازِ خیرِ شکن، علیؑ مولا!
مہرِ سہ نہاں علیؑ مولا!
بے نشاں رانشاں علیؑ مولا!

رہبرانس و جاں علیؑ مولا

بابِ علمِ رواں علیؑ مولا

فخرِ ختمِ رسالِ علیؑ مولا

آفتابِ سبیلِ علیؑ مولا!

شیرِ یزداں علیؑ ولی اللہ

شاہِ مرداں علیؑ ولی اللہ

لافحی برطا، علیؑ حیدر

ساقیِ میکدہ، علیؑ حیدر

میں نگاہِ رسولؐ کے مشبول!

دارتِ دینِ حقِ پناہِ بتولؑ

فیضِ اُن کی نظر سے ملتا ہے

کب ادھر یا ادھر سے ملتا ہے!

میں نے جب بھی انہیں پکارا ہے

اک عدا آئی تو ہمارا ہے!

فیضِ عالم میں منظم شہِ انوار

اُن کے صدف میں ہوگا بیڑا پار

امام حسین

السلام اے نُورِ اوّل کے نشاں
السلام اے راز دارِ کُن فکاں
السلام اے دانتانِ بے کسی !
السلام اے چارہ سبازِ بکیاں
السلام اے دستِ حقِ باطل شکن
السلام اے تاجدارِ ہرزماں
السلام اے ربِ غیرِ غلیمِ لدُن !
السلام اے فتحِ عارفان !
السلام اے راحتِ دوشِ بتا !
السلام اے راکبِ نوکِ سناں
السلام اے بوتراپی کی دہیل
السلام اے شاہِ مبارِ لامکاں

السلام اے صاحبِ شہدے آرزو

السلام اے رازِ رازِ فدا دیاں!

السلام اے ذوالفقارِ حیدری

السلام اے کشتہٴ تسلیم جاں

السلام اے مستیِ جامِ بخت!

السلام اے جنبشِ کون و مکان

السلام اے رازِ رازِ آنِ میں

السلام اے ناطقِ رازِ نہاں!

السلام اے ہم نشینِ ریگِ دشت

السلام اے کج کلاہِ خسرواں!

السلام اے درِ دینِ مضطرب!

السلام اے مبدنِ علمِ رواں!

السلام اے گوہرِ عینِ علیؑ

دینِ پیغمبر کے عنوانِ حسی

گنج بخش فیضِ عالم !

السلام اے سیدِ ہجویر قطبِ الاولیاء

السلام اے مرکزِ توحید، الوارِ اللہ !

سطوتِ علمِ البقین و شوکتِ دینِ مبسبیں !

رہبرِ اقلیمِ عرفانِ محمد مصطفیٰ !

اے شہِ بطحی کے نور و کاشفِ رازِ مخفی،

شارحِ شانِ ولایتِ نورِ چشمِ مرتضیٰ !

قرنِ اول میں نزارِ صبحِ اول کی نمود

مہر و ماہِ عارفانِ ہمت کے صدرِ العلاء

تو نشانِ عزم و وجدانِ قلوبِ اصالحین

رہبرِ صدق و صفا و منبعِ جود و سخا

گوہرِ نایابِ تو ہے موجِ بحرِ نورِ حق !

حقِ پناہ و حقِ نگرِ حق کو حقیقتِ آشنا

خطِ لاہور میں سربستہ رازِ لالہ

سرزمینِ شوق و مستی میں بہاروں کی فضا

کعبہ گنج شکر گنج ولایت، گنج بخش !
 قبلہ گاہِ خواجہ بہت دالوی روضہ ترا !
 یا علیٰ محمدوم، جویریٰ سے تیرا کرم
 سرزمینِ پاک میں ہے آج نامِ کبیریا
 اے فقیر و صوفی و سادق و عتاق سلوک
 پاس بانِ سنت و شرع و سجدِ بے ریا !
 یہ زمیں تیری ہے تیسے چلنے والوں کی ہے
 ابتدا ہے لا الہ الا اس کی یہی ہے انتہا !
 آج پھر ملت کو ہے اندیشہ کم مائیگی !
 آیہ کالتقطو کی شرح ہو جائے ذرا
 اب ضرورت ہے شرابِ شوق کی اس قوم کو
 جامِ اِلا اللہ کو ساقی ذرا گردش میں لا !
 توڑنا ہے پھر ہمیں گویا طلسمِ سامری !
 گنج بخش فیضِ عالم ہویدر بیضا عطا
 لا الہ ہر دور میں قائم رہے گا با یقین
 ہے یدِ مومن ہی گویا ہاتھ اب اللہ کا !

سر زمینِ پاک پر ہے کرگسوں کا کیوں ہجوم !
 کس کی غفلت سے ہوا طت کا شیرازہ بُدا ؛
 اے ظہورِ صورتِ بے صورتِ آفاتے نکل !
 خدمتِ دینِ مُبیس سے فیضِ عالم ہو گیا !
 تو بیانِ کشفِ محبوبِ نشانِ بے نشان ،
 اے شہیدِ حسنِ کاملِ گنجِ بخشِ پیشِ ما ؛
 آستانِ تیرا ہے گویا اک نشانِ دینِ حق ،
 تیرے در پر جھک گیا جو پا گیا راہِ خدا
 دنی و اجمیر میں گونجی صدائے گنجِ بخشِ
 تیرا فیضانِ نظرِ قطرے کو دریا کر گیا ؛
 گنجِ بخشِ تری مشہور داتا گنجِ بخش !
 گاہے گاہے یک نگاہے بر فقیرِ بے نوا
 داصفِ مسکین چہ گوید ایں مقامِ حیرت است
 خواجہ من قسبہ من گفت قولِ حقِ بجا ؛
 گنجِ بخشِ فیضِ عالمِ مظہرِ نورِ خدا
 ناقصاں را پیرِ کاملِ کاملان را رہِ سنا

خواجہ شہجی

خواجہ ملن کی پیاس بے دل میں نینوں میں برساتیں ہیں !
 تنہائی کے چپ آگن میں سردی اُس سے باتیں ہیں !
 خواجہ مرے کا راز نرالا، خواجہ شہجی کے تورین اُجالا
 درس بنا جگ گھور اندھیرا دن اپنے بھی راتیں میں
 جگت گرد کی آنکھ کا تارا، خواجہ معین الدین ہمارا
 دو لبا ہے اجسیر نگر کا، گھر گھر میں باراتیں ہیں !
 وحدت کثرت عین طریقت، ہر چہرے میں ایک حقیقت
 قطب فرید نظام اور صابر ایک صفت کی ذاتیں ہیں !
 چشت نگر میں بس دن میلے، عشق یہاں محسنل میں کھیلے
 آنکھ میں آنسو، لب پہ ترانے، یہ چشتی سوغاتیں ہیں
 رہنا ہے ہر حال میں راضی، خواجہ شہجی کے جیون بازی
 خواجہ شہجی کی جیت ہمیشہ، مجھ پاپن کی ماتیں ہیں !
 آنکھ سے اُدھل دل میں بسیرا من موہن ہے خواجہ میرا
 واصف اس کی پریت نرالی اس کی انوکھی گھاتیں ہیں

خواجہ معین الدین

آفتابِ روتے احمد کی درخشندہ کرن
ماہتابِ کشورِ عرفاں معین الدین حسن
چشتیانِ سرزمینِ پاک کی مستی کا راز
توسراپا جانِ محفلِ توحیدِ ابرارِ انجمن
خواجہ عثمانِ بارونی کی چشمِ التفات
دارتِ دینِ محمدؐ نورِ چشمِ بیخ تن!
سُرمۂ چشمِ بصیرت بے ترے کوچے کی خاک
عینِ عشقِ مصطفیٰؐ بے پیرِ کمال کی لگن!
سیدِ ہجویرِ قطبِ الاولیاء کا راز داں
شاہبازِ لامکان و جانِ منِ جانانِ من!
تو منافق کے جگر پر ایک ضربِ آخری!
ہند کے ظلمت کدے میں نورِ اول کی کرن
یا معین الدین اجسیری بنامِ گنج بخش،
سوئے ماضی لوٹ جائے گردشِ چرخِ کہن

منزلیں گم ہو گئیں رستے فضا میں کھو گئے
 شامبازوں کے علاقے لے گئے زاغ وزغن
 خون سے اپنے شہیدوں نے کیا جس کو رقم
 پارہ پارہ ہو گیا اس داستاں کا پیرہن
 گل کھلیں گے یا اگیں گے خار دیکھا جائے گا۔
 آنڈھیوں کی زد سے تو محفوظ ہو پہلے ہمیں
 پھر نظام گلستہں ہو گا جنوں دلوں کے پاس
 باندھ کر نکلے گی پوری قوم جب سر سے کفن!
 آگیا ہے لب پہ آخر آج حرفِ مدعا!
 اپنے سرستوں کو خواجہ دیجئے اذن بزن

جانے کس دیوانگی میں ان سے بوں میں ہم کلام
 میں کہ واصف ہوں کہ اسے والی شہرِ تین

فرید الدین مسعود گنج شکر

جہد و زہد انبیاء گنج شکر بابا فرید
رہنماتے اولیاء گنج شکر بابا فرید
حضرت خواجہ معین الدین کی آنکھوں کے نور
مہر عرفاں کی ضیاء گنج شکر بابا فرید
اس وطن کا نقش اول "خطہ شہرِ بتمن"
رہبروں کا پیشوا گنج شکر بابا فرید
زندگی میں وا ہوا جس کے لیے "بابِ بہشت"
پیکرِ صبر و وفا گنج شکر بابا فرید
جس نے "محبوبِ الہی" کو دیا رنگِ جمال
وہ چراغِ چشتیہ گنج شکر بابا فرید

صاحبِ کلیئر کو اِس در سے طائرنگِ جلال

مصدرِ بابِ عطا گنجِ شکر بابا فرید

کیوں نہ ہو ورنہ باں و اصف علی نام فرید
گوشہ دل پر لکھا گنجِ شکر بابا فرید

”چل خُسر گھر اپنے۔۔۔“

میں ماٹی کی مورتی، ماٹی میرا دیس
ماٹی موری جاتے، میں لاتی سندس
ماٹی بھید اگم کا، ماٹی کی کیا بات
سُندر پھول سے پوچھتیو ماٹی کیسا دیس!
ماٹی میں جل، اگنی ماٹی پون جھکور
ماٹی ہی من مو بہنی، ماٹی کرے کلہس
ماٹی ماٹی کھا گئی، ماٹی مور کھ کوکھ!
ماٹی، ماٹی جہنم دے، ماٹی سو سو بھیس
ماٹی بھولے پریم کو، جگ کلجنگ بن جائے
ماٹی جگ کا دیس ہے، جگ اس کا پر دیس
ماٹی کھڑ کھڑ بولتی، بیتے جگ ہزار
ماٹی لاگی دھڑکنیں، کھڑ کھڑ بے چو دیس

مائی آئے کوکھ سے، مائی کوکھ بے !

دھرتی ماتا دھرم ہے، مائی کاندیس

مائی جگ کو موہ کے، جاتے مائی ننگ

گوری سوئے تیج پہ، ککھ پر ڈالے کیں!

خسرو کا کر آتما، واصف گڑ کی بات

امر کرے پر ماتما، مائی دس بدینا!

”کلیم بودری“

المحذرا از حُبِّ ذی المحذر

یہ جہاں منزل نہیں ہے بگذر

خوبصورت ہے جہاں رنگ و بو

کارواں سے ہی بھڑک جاتے نہ تو

کتنے دُعا اور سکندر کھو گئے

میں گئے مٹی میں مٹی ہو گئے !

یہ جہاں فانی، فنا کو ہے قیام

اس جہاں میں کس کو حاصل ہے دوام

ڈوب جاتے ہیں تارے، ماہتاب

آفتاب آمد و میل آفتاب

شور فانی ہے مگر باقی سکوت

یہ نفس ہے ایک تارِ عنکبوت !

زندگانی موت کی تصویر ہے !

ہر تمنا پاؤں کی زنجیر ہے

موت سے ممکن نہیں ہرگز مفر
نیستی، مستی میں دونوں ہمسفر
کس لیے ہیں آرزو کے سلسلے
سوچ تہائی میں گرفتار
کیا رہے گا تو سدا اس جا میں
کیا نہ جائے گا کبھی زیرِ زمیں !
بے کہاں بچپن ترا ماضی کہاں !
اب کہاں چہرے پر باقی سُرخیاں
تو مسافر ہے مسافر بن کے چل
وقت کے دشوار رستے میں سنبھل
گلشنِ مستی میں آبیگانہ دار
دیکھتا جا ان بہاروں کا نکھار
لاکھ مرغانِ چین ہوں نفسِ زن
صوت کے جادو میں کھو جاتے نہ من
دیکھ چکے سے خستہ آؤں کا ظلم
دیکھ بن کر ایک آئینے کا جسم

شب چراغ

برق میں تنکے ہیں یا تنکوں میں برق
موت و ہستی میں ہے بس اتنا ہی فرق
خونِ مستی پہ رکھ اپنی نگاہ!
اک شرر کافی ہے کرنے کو تباہ!
تجھ کو جانا ہے جہاں آباء گئے
جانے والے سب یہی فرما گئے!
تُو نے دیکھے ہیں جنازے بے شمار
تُو نے کیا دیکھا نہیں اپنا مزار
تجھ کو ہنگاموں سے فرصت بھی ملے
غور فرمانے کی مہلت بھی ملے!
ہار پہنائے کوئی تجھ کو اگر!
جھوم جاتے ہیں ترے قلب و نظر
جھوٹ ہے تُو صاحبِ عرفان ہے
اے سگِ دنیا یہی بُہتان ہے
زر پرستی، زرفشانی، زرگری!
فقر کو سمجھا ہے تُو سوداگری!

تیری شہرت کے لیے بے بندگی
زندگی کے بعد بھی شرمندگی

تو فقط بے بندۂ حرموں و ہوا

بے خبر تو فتنہ کو سمجھا ہے کیا

غم نہیں غم میں وہ ہے بے آرزو

فقر کی منزل مسلسل جستجو!

ہاں مگر وہ جستجو کچھ اور ہے

طالب مولیٰ کا اپنا طور ہے

اپنی منزل آپ جو طے کر گیا

وہ یہاں مرنے سے پہلے مر گیا!

حُبِ دُنیا ہے تمنائے یزید!

طالبِ دُنیا کینہ سگِ پلید!

فقر کیا ہے فکرِ دُنیا سے نجات

فکرِ عقبیٰ فتنہ کا رازِ حیات

فقر ہے "الفقر فخری" بالیقین

فقر کے دامن میں مال و زر نہیں

شب چراغ

فقر اور اندیشہ سود و زیاں؟

اک حسین چہرے پر چھپک کے نشاں؟

فقر بے بے تابی قلبِ حزیں

فقر اشکوں کے سوا کچھ بھی نہیں

فقر ہے نانِ جویں کی داستاں

زر پرستی فقر کی حامل کہاں

فقر تاریکی میں ہے روشن دیا

”فقر کی آواز ہے بانگِ درا“

فقر کا جامہ گلیم بوذری۔

فقر کے بازو میں زورِ حمیّٰدری

فقر قرنی، فقر جانی، فقر روم

فرش کیا ہے عرش پر ہے اسکی دھوم

فقر کے لب پر صدائے لا الہ

اندلس ہو، سندھ ہو، یا کر بلا

فقر کی مستی کا عالم نسیم شب

حق سے بندے کو ملانے کا سبب

فقر کیا ہے ایک مردِ دیدہ ور
ہر زمان و ہر جہاں سے باخبر
فقرِ اِلَّا اللہ کی تفسیر ہے
فقر کیا ہے بجدۃ شتیر ہے
فقر ہے چاکِ گریبانِ حیات!
فقر ہی ہے موجِ بحرِ اسمِ ذات
فقر کے دم سے ہے قائمِ انجمن
فقر کے در پہ نگوں چرخِ کہن
فقر جہتہ میں سے دستار میں!
یہ دکانوں پر سے بازار میں
فقر ملتا ہے نہ جاہ و مال سے
فقر ملتا ہے نبی کی آل سے!

فقر مل جائے جسے وہ ہے ولی!
کون سمجھائے تجھے واصفِ علی

مے شوق

تری شان بو ترابی، میرا ذوق خاک بازی
ترے آساں پہ لاتے مجھے تیری دل نوازی !
میں نکل گیا خود سے میں جنونِ باخبر ہوں،
میری زد میں لامکاں بے میرا کام شاہبازی
تو ہے ساقی زمانہ میں ہوں رندِ جادو دانہ
ہو عطا، متے شبانہ، کہ بھکے ترا نمازی !
ترے نقشِ پا کا سجدہ میری بندگی کا حاصل
اسی بندگی سے رومی، اسی بندگی سے رازی

تیری یاد کا ولی ہوں کہ میں واصفِ علی ہوں !
نہ جھنی ہوں نے جلی ہوں میں ہوں حرفِ بے نیازی

طائر لاہوتی

میں نعرہ مستانہ، میں شوخی زندانہ
میں تشنہ کہاں جاؤں، پنی کبھی کہاں جانا
میں طائر لاہوتی، میں جو سبر ملکوتی!
ناسوتی نے کب مجھ کو اس حال میں پہچانا!
میں سوزِ محبت ہوں میں ایک قیامت ہوں
میں اشکِ ندامت ہوں میں گو سبر یکدانہ
کس یاد کا صحرا ہوں کس چشم کا دریا ہوں
خود طور کا جلوہ ہوں بے شکل کھیمانہ!
میں شمعِ فروزاں ہوں میں آتشِ لرزاں ہوں
میں سوزِشِ بجا ہوں میں منزلِ پروانہ
میں حُسنِ مجسم ہوں میں گیسوئے برہم ہوں
میں پھول ہوں شبنم ہوں میں جلوۂ جانانہ
میں اصفِ سبیل ہوں میں مینقِ محفل ہوں
اک ٹوٹا ہوا دل ہوں میں شہر میں ویرانہ

زندگی

زندگی اپنے لہو کا نام ہے
زندگی ہے لذتِ سوزِ دوام،
زندگی اک آرزوئے خام ہے
زندگی حسرتِ بھری فریاد ہے
اشکباری زندگی کا مشغلہ
پی رہی ہے زندگی اپنا لہو
سوزشِ دردِ جگر ہے زندگی
اعستبارِ آرزو کا نام ہے
زندگی بہر حال میں ہے تشنگام
زندگی زندہ برائے نام ہے
زندگی گویا کسی کی یاد ہے!
ہر قدم پر زندگی اک مرحلہ
لوٹتی ہے آپ اپنی آبرو!
ایک خوابیدہ سہ ہے زندگی

گویا رسوائی سر بازار ہے !
 زندگی ہے آپ اپنا ناخدا
 زندگی پانی میں زندہ آگ ہے
 پر خطر اک رہگزر ہے زندگی
 زندگی ٹوٹا ہوا اک دل بھی ہے
 جانے والوں کا نہ آنا چوندگی !
 فکر میں ڈوبی ہوئی اک شام ہے
 زندگی گرتی ہوئی دیوار ہے !
 "حسرتاوا حسرتاوا حسرتا"
 زندگی خاموش غم کا نام ہے
 بے تیراری زندگی کا ہے قرار
 زندگی ہے پھولنے پھلنے کا نام
 ورنہ ہے ذوق تماشا زندگی
 ورنہ مرگ ناگہاں ہے زندگی !
 ہے کبھی جشن بہاراں زندگی
 زندگی آتش بھی ہے گلزار بھی

زندگی اک ادنیٰ پڑھا ہے
 زندگی ہے ایک گرد و آبِ بلا
 زندگی ہی زندگی کا ناگ ہے
 اک مسافر کا سفر ہے زندگی
 زندگی بھولی ہوئی منزل بھی ہے
 زندگی کا ہر فسانہ زندگی !
 زندگی خود شائے الہام ہے
 زندگی فنکار ہی مہم سار ہے
 دے رہی ہے زندگی ہر دم صدا
 زندگی آنکھوں کے غم کا نام ہے
 زندگی ہے ایک گوئے انتظار
 زندگی ہے آگ میں جلنے کا نام
 ہاتھ سے جاتے تو لاشہ زندگی ،
 دل جواں ہو تو جواں ہے زندگی
 ہے خم زلف نگاراں زندگی !
 زندگی دیکھ بھی ہے مہار بھی

گاہ ہستی ربر و افلاک ہے
 زندگی ہے اک تبسم زیر لب
 زندگی اتوال بھی احوال بھی !
 زندگی کی ضرب ہے ضربِ کلیم
 زندگی ہے ایک بھر بے کراں،
 زندگی ہے اک پریشان اتاں
 ہے کبھی یہ ایک حرفِ آرزو
 گردشِ شام و سحر ہے زندگی
 زندگی کے زمزمے میں چار سو
 زندگی غریانی اجسام . بھی !
 نقشِ فریادی بھی ہے تصویر بھی
 زندگی کیا ہے سہانا خواب ہے
 آنسوؤں کی ایک مالا زندگی !
 تھم بھی جائے تو رواں ہے زندگی
 ہے کبھی تسلیم کی خو زندگی !
 زندگی ہے کشتہ تیغِ ستم !
 گاہ یہ خاموش زیرِ خال ہے
 زندگی شمعِ فروزاں یہ سم شب
 زندگی آئینہٴ جمال بھی !
 زندگی گاہے کھ گلبے گلیم !
 یہ کبھی صحرا کبھی کوہِ گراں
 کوئی حصہ ہے یہاں کوئی دباں
 ہے کبھی یہ بے نیاز جستجو
 ایک سیمائی نگر ہے زندگی !
 زندگی ہے گردشِ جام و سبو
 زندگی ہے گردشِ ایام بھی !
 زندگی ہے شوخیِ محسوس بھی
 زندگی اک گوہرِ نایاب ہے
 چاند سے چہرے کا ہالا زندگی !
 داستانِ کمن نکاں ہے زندگی
 ہے کبھی نہیں اور کبھی "تو" زندگی
 یوں بھی ہے ہستی کا اندازِ کرہ

تخت پر بھی سسکیاں بھرتی ہے یہ
زندگی افسانہٴ قدرت بھی ہے
زندگی نے خود کو بھلا یا بھی ہے
خُن ہے خُن ادا ہے زندگی
موتی سی ایک صورت زندگی
زندگی ہے ایک زلفِ عنبریں
زندگی بے نام ساد فن بھی ہے
ہے کبھی تند اور کبھی سس زندگی
زندگی ہے مہ جبینوں کے لیے
مے کدے میں اک سہانی شام بھی
مر مرے باہوں میں اک سیلاب بھی
دم بخود ہوتی ہے یہے جاں کبھی!
زندگی مشوق ہر جانی بھی ہے!
زندگی کا فعل غم پوشی بھی ہے
یہ زمین منتِ درباں بھی ہے
زندگی بھردل کبھی مرتا نہیں

منطقی میں بھی گزر کرتی ہے یہ
زندگی محبوب کی قرابت بھی ہے
گیسوتے خم دار کا سایہ بھی ہے
ایک شوخی ہے حیا ہے زندگی
کامنٹی سی ایک صورت زندگی
زندگی ہے ایک چشمِ سرگین
زندگی سہمی ہوتی دُہن بھی ہے
ہے نوازش ہائے موسم زندگی
جگمگاتے آگینوں کے لیے
زندگی ہے موردِ الزام بھی!
زندگی ہے زخمہ و مضراب بھی
رقص کرتی ہے سہرِ مرثگان کبھی
اک تماشا ہے تماشائی بھی ہے
زندگی کا شغل مے نوشی بھی ہے
زندگی نیشہ رگی دوراں بھی ہے
کاسہ ہستی کبھی بھرتا نہیں!

ایک پل میں بھی سنبھل جاتی ہے یہ
 دامن بستی کیا کس نے رفو؟
 زندگی آنکھوں میں خوں کا نام ہے
 زندگی کے درمیاں ہے زندگی
 زندگی ہے آیہ لایحزنون!
 یہ تیغ حاصل ابھام ہے!
 زندہ رہنے کے لیے مرقی ہے یہ
 درنہ محشر سے یہ ہستی کم نہیں!
 کر رہی ہے زندگی کچھ تجربات
 زندگی کیا ہے سراپا راز ہے!
 جیسے فن میں صاحب فن کا لہو
 راز افشانی اسے بھاتی نہیں
 زندگی رستا ہوا ناشور ہے!
 زندگی ہے خود چراغ زندگی
 زندگی خود زندگی سے دور ہے
 خود میجا، خود بلائے جان بھی!

ٹھو کریں کھا کر بدل جاتی ہے یہ
 زندگی ہے چاک ہو جانے کی خو
 زندگی اپنے جنوں کا نام ہے
 موجہ آب رواں ہے زندگی
 زندگی کیا ہے بجز سوزِ دروں
 زندگی ذوق فنا کا نام ہے!
 لاکھ حیلوں سے گزر کرتی ہے یہ
 موت مل جاتے تو کوئی غم نہیں
 نامکمل ہے ابھی تک کائنات
 ساز کے سینے میں اک آواز ہے
 زندگی گل میں مثال رنگِ بو
 زندگی الفاظ میں آتی نہیں
 اپنی آزادی میں یہ محسوس ہے
 کس نے پایا ہے سراغِ زندگی
 فلسفی کبھی نہیں مجبور ہے
 زندگی ساحل بھی ہے طوفان بھی

ہاں مگر یہ زندگی انعام ہے
 زندگی ہے سنگِ در کی آرزو
 زندگی ہے منہ پر طیلِ الہ !
 زندگی کا مدعا دیدہ وری
 زندگی روشن جبین کا نام ہے
 زندگی ہے واجبِ ہمد احترام
 خالقِ مطلق کا اپنا کام ہے !
 خوب ہے خوب تر کی جستجو
 زندگی کا راز ہے کرب و بلا
 زندگی کی موت ہے سوداگری
 زندگی پختہ یعنیتیں کا نام ہے
 زندگی ہے انقلابِ صبح و شام

یار کے دم سے سلامت زندگی !

ورنہ و اصف ہے قیامت زندگی

کاروانِ حیات

کاروانِ زندگی پیہم رواں ہے صبح و شام
اس فنا کے دیں میں جاہل ہو ا کس کو قیام
پھول جو کھلتا ہے وہ اک دن یہاں مر جاتے گا
یہ سہرائے فانی بے جو آتے گا وہ جاتے گا
اپنی اپنی منزلوں پر ہیں ستارے گامزن !
صبح دم خاموش ہو جاتی ہے ساری انجمن
رات کے دامن سے الگتا ہے نورِ آفتاب
شام پہنانے چلی آتی ہے سورج کو نقاب !

جنگلاتی صبح کی تفت دیر کالی شام ہے
 زندگی کی دھڑکنوں کا موت ہی انجام ہے
 لکھنے والے نے لکھا، سستی کی قیمت میں زوال
 ہاں مگر باقی رہے گی ذاتِ ربِّ ذوالجلال !
 مردِ کامل ہے وہی جو منزلیں طے کر گیا
 زندگی اس کی ہے جو مرنے سے پہلے مر گیا
 موت کیا ہے حق سے بندے کو ملانے کا سبب
 موت سے ڈرتے نہیں جو جاگتے ہیں نیم شب
 پیر پیغمبر، ولی، درویش، مردانِ خُدا
 موت کی وادی سے گزرے ہیں بہ تسلیم و رضا
 زندگی اور موت ہے اپنی خدا کے واسطے
 مردِ مومن ہے فقط صبر و رضا کے واسطے
 سانس کی آری سے کٹ جاتا ہے، مستی کا شجر
 زندگی میں موت سے ممکن نہیں ہرگز مفر
 حشر برپا ہیں کئی اک جذبہٴ خاموش میں !
 زندگی سوتی ہے آخر موت کی آغوش میں

روزِ اول سے یہی ہے زندگی کا سلسلہ،
موت کیا ہے زندگی کا آخری اک مرحلہ!
برق میں تشکے ہیں و اصفیٰ کہ ہے تشکون میں برق
موت اور، ہستی میں کیا سمجھے کوئی انسان فرق!

نوائے راز

شب انتظار کی بات ہوں نسیم برت دار کی بات ہوں
 کسی راز دار کی بات ہوں بڑے افتخار کی بات ہوں
 کبھی سنگ ہوں کبھی خار ہوں میں کبھی جنون بہار ہوں
 تری حسرتوں کا مزار ہوں، تھے رگزار کی بات ہوں!
 ہوں کسی کی دید کی آرزو، اسی آرزو سے ہے آبرو!
 ہے ازل سے ایک ہی جستجو میں کسی کے پیار کی بات ہوں
 میں کسی کی زلف کا ناز ہوں۔ کسی نغمہ نومی کا ایاز ہوں ،
 کسی میکدے کا میں راز ہوں، کہ نگاہ یار کی بات ہوں!
 میں صد لے روز الست ہوں، میں اسی خماریں مست ہوں
 نہ بلند ہوں نہ میں پست ہوں، کہ وفا شعار کی بات ہوں!

میں غرورِ عشق کی لاش ہوں، تیرے سنگِ در کی تلاش ہوں
 میں دل و جگر کی خراش ہوں، کہ میں نوکِ خار کی بات ہوں
 تو ہی بے نشاں کا نشان ہے، تو ہی ماورائے گمان ہے۔
 مجھے تیری ذات پہ مان ہے، میں نفس کے تار کی بات ہوں
 تو ہی برقِ حسنِ جمال ہے، میرے اشیاء کا آل ہے
 یہ فراقِ عینِ دُعا ہے، میں تمہیں کے بار کی بات ہوں
 میں کسی کا حسنِ خیال ہوں، کہ مصوری کا کمال ہوں
 میں کسی نظر کا جمال ہوں، کسی برقیار کی بات ہوں !
 میں 'نہاں' کبھی ہوں شہود میں میں نہ بست میں ہوں نہ بود میں
 میں رکوع میں نہ سجود میں، دل بے قرار کی بات ہوں
 کبھی نقشِ پایہ گرا ہوں میں، کبھی منزلوں سے درا ہوں میں
 کبھی اک صدائے درا ہوں میں، کسی اشکبار کی بات ہوں
 میں جھکوں تو دنیا ہو سرنگوں، میں اٹھوں تو اٹھتی ہے موجِ جنوں
 میں خرد کے بھیس میں ہوں جنوں، کہ میں رقصِ دار کی بات ہوں
 میری ایک آہ کے منتظر، کھڑے بے کسی میں ہیں بام و در
 سرِ شام چاہوں تو ہو سحر میں فلک سوار کی بات ہوں !

میرا نام زینتِ داستاں، میں کسی کے خُسن کا پاسبیاں
 میں کسی کی بزم کا ہوں نشاں، میں دیارِ یار کی بات ہوں
 میں جلاؤں ذیپ قدم قدم، میرا سر جھکائے جہنم جہنم !
 میں صنم پرست کبھی صنم، کسی یارِ غار کی بات ہوں
 میں فنا کی راہ سے دور ہوں میں بقائے شوق ضرور ہوں
 میں مے فراق سے چور ہوں، میں بڑے خمار کی بات ہوں
 میں کہ شاہبازِ قدیم ہوں، میں نشانِ صنمِ صمیم ہوں !
 میں شہیدِ جلوۂ صنم ہوں، کسی ریگ زار کی بات ہوں !
 میں خیر کے دام کا دام ہوں، میں خرد کدے کا امام ہوں
 میں علیؑ دلی کا غلام ہوں اسی تاجدار کی بات ہوں
 میرا نام داصفِ باصفا — میرا پیرِ سنید مرتضیٰ
 میرا درد احمدِ مجتبیٰ میں سدا بہار کی بات ہوں

بندہ و بندہ نواز

بنا چار تنکوں کا آشیاں کہ تڑپ تڑپ اٹھیں بیاں
تیری شانِ بندہ نواز کو، میں سمجھ گیا میرے مہرباں
تیرے جلوہ ہائے قدیم کو مرے دل سے ہے بڑا واسطہ
میں ترا خیال نہیں اگر تو کہاں اَلت بلی کہاں
میں تری نماز ادا کروں، تو ہو محو ذکرِ حبیبؐ میں
مجھے مل گئیں تیری نکہتیں، مجھے مل گیا تیرا آساں
تیرا وصل عین فراق ہے، تیرا، بحر عین وصال ہے
تیری راہ میں جو نکل پڑے تو مٹا خیالِ حنہیں چناں

میں ہوں ایک جذبہ بیکراں، میرے پاس رہتی ہیں بجلیاں
 تیرا ایک نشیمن ذات کیا، میں جلاؤں دہر کا ہر نشان
 مرے جلوہ ہائے قدیم کو ترے دل سے ہے یہی واسطہ
 کہ میں خود السرت میں خود بلی، کہ جب میں مری مرا آستان
 میں نہاں ہوں اپنی ہی ذات میں میں عیاں ہوں اپنی ستائیں
 میں نہاں کو گاہے عیاں کروں، میں عیاں کو گاہے کروں نہاں
 جسے چاہوں تخت عطا کروں، جسے چاہوں بخت رسا کروں
 جسے چاہوں مست دلا کروں، میرا اذن آئیہ کن نکاں!
 میں ہوں دل، میں لب و لہری، مری ہر ادا میں ہے سردی
 میں نہ چشتی ہوں نہ میں قادری، کہ میں ہر جگہ ہوں نہیں کہاں
 میری شان عالی مقام ہے، مرے میکدے کو دوام ہے
 کہ ہر ایک رند غلام ہے، میری عظمتوں کے ہیں یہ نشاں!
 میں فلک پہ رکھتا ہوں لامکاں، بے زمیں پہ کعبہ ہر اماں
 میں بشر کے دل میں ہوں ہرزماں، ہے نشاں یہی میرا جلوہاں
 میں نہ طور ہوں نہ کلیم ہوں، میں تو ایک رازت قدیم ہوں
 میں جہاں میں جلوۂ مہم ہوں، کہ میں اپنے نور کا پاسباں

مرے شرق، مغرب، جنوب سب، جوتے زیرِ سستی یک قطب
میں حدود میں ہوں نہ اب نہ جب، ہے درائے عقل مرا جہاں
میں علیم ہوں میں بصیر ہوں، میں معین ہوں میں نصیر ہوں
میں چھپوں کہاں کہ خبیر ہوں، ہے نظام میرا ہی الاماں !
ہیں صنم مرے میں صنم شکن، ہے صنم کی مجھ کو بڑی لگن !
میرا بانگین ہے، مری پھین، میں ہری نہ میں ست گراں
میں نماز شاہ شہید ہوں، میں اسی کا حاصل دید ہوں،
میں نگارِ حسنِ منسّید ہوں، میں ادائے مست قلندراں
میں بقائے خود میں بقا ہوا، کہ میں نورِ ارض و سما ہوا
میں ہی ستر ہر دوسرا ہوا، میرا راز جانے گا تو کہاں !

تو کہاں ہے واصفِ بے خبر، مرے در پہ ٹھکتے ہیں بحر و برا!
ہے بڑی کٹھن مری رہنڈر، تو کسبھل کے رکھنا قدم یہاں

یومِ شوکتِ اسلام

اے خوشایوم شوکتِ اسلام
مرحبا کاروانِ جوشِ دوام!
انبساطِ جنوں ہے مرگِ خسرو
رہبرِ شوق کو بقائے دوام!
موجِ ایساں تڑپ تڑپ اٹھی
فرش تو فرشِ عرشِ زیرِ دام!
قصرِ عمر پہ ہے یہ ضربِ کلیم
لا الہ کی صدا درود و سلام
تخیرِ اُمت کی عظمتوں کی قسم!
حق و باطل میں اختلاطِ حرام

شب چراغ

دینِ تسیم میں ٹاٹ کا پیوند؟
خام اذہان کا خیمہ خالی خام!
آج گونجے فضاؤں میں تکبیر
منہ کے بل آگریں نئے اصنام
نظر دیا تی حدود پر حمد؟
جارجیت کا ہے یہی اِستدام
بجاہدوا فی سبیلِ رَبِّ عَلٰی
رَبِّ کعبہ کا دین ہے اسلام
گامزن ہو گیا سوادِ عظیم
منزلِ شوق خود کرے گی سلام
بوشِ پیہم ہفتین مستحکم
بِاللہ الحمد آج ہے برگام
فتحِ اسلام کی بشارت ہے
سُن صدائے شکستِ شیشہ و جام
فخرِ انسانیت ہے دینِ نبیؐ
اور ہم ڈھونڈنے چلے ہیں نظام

جان دے کر ملی ہے آزادی!
کون ہے اشتراکیت کا غلام
دین دے کر جو دولتِ دنیا

مل بھی جاتے اگر مرے کس کام
ہلتِ محترم کی شوکت سے

ہے عیاں آج شوکتِ اسلام

منفعل ہو گئی حسرتِ دردِ واضح!

منتہج ہو گیا ہے عزمِ عوام!

وطن کا مجاہد

السلام اے عظمتِ شانِ وطن!
السلام اے وارثِ دینِ گمن!
السلام اے شاہبازِ آسماں!
السلام اے لرزہ زاغ و زغن!
السلام اے بازوئے مولا علیؑ،
السلام اے دستِ حق، باطل شکن
السلام اے مستیِ ذوقِ یقین
السلام اے قوتِ شاہِ زمن!
السلام اے پاسبانِ حریت
السلام اے نکتہ دانِ بیتِ شکن
السلام اے دینِ یزداں کے امین
السلام اے انفعالِ ابرمن!
السلام اے نعمۃ اللہ ہو
السلام اے نورِ ایماں کی کرن

السلام اے جذبہ ذوقِ جہاد
السلام اے غازیِ دنیاں شکن
السلام اے شعلۃ القارِعِ
السلام اے طاقتِ خیر شکن
السلام اے سرفروشِ دُسرِ خرد
السلام اے سرنہرازی کی لگن!
السلام اے آبِ شیرِ علی!
السلام اے جاں نثارِ پنجتن
السلام اے پاک دامانوں کی آن
السلام اے خون آلودہ کفن!
السلام اے امتیازِ خیر و شر!
السلام اے حق کے ماتھے کی شکن
السلام اے مدعاے کلا اللہ،
السلام اے جانِ منِ جاناں من!

السلام اے قلبِ مومن کے جلال
کیوں نہ ہو واصلتِ ترساں اور وطن!

میں کون ہوں بادل ہوں

میں مجھوم کے اُٹتا ہوں
تڑپتا ہوں کہ گر جا ہوں
برکھیت پہ برسا ہوں

میں کون ہوں بادل ہوں

بے زلف گھٹا میری
بے برق ادا میری
ماتحتی ہے درا میری

میں کون ہوں بادل ہوں

میں دُور سے آیا ہوں
میں دہر پہ چھایا ہوں
رحمان کا سایا ہوں

میں کون ہوں بادل ہوں

میں پی کے سمندر کو
لے آیا ہوں گوہر کو
سمٹے ہوئے جوہر کو

میں کون ہوں بادل ہوں!

میں حاملِ سستی ہوں

میں باعثِ سستی ہوں

افلاک کی بستی ہوں

میں کون ہوں بادل ہوں!

میں جام ہوں میں ساقی

فانی ہوں نہ میں باقی

منزلِ مری آفتابی

میں کون ہوں بادل ہوں

پھیلوں تو قیامت ہوں

سمٹوں تو ندامت ہوں

میں سوزِ محبت ہوں

میں کون ہوں بادل ہوں

شب چراغ

پھولوں کی قبا مجھ سے

میں اُس سے صبا مجھ سے

ہو پوچھتے کیا مجھ سے

میں کون ہوں بادل ہوں!

سرمہ کی ادا لایا—!

منصور کا دل پایا!

سرمایہ گراں مایا!

میں کون ہوں بادل ہوں!

گہ غش نشیں ہونا

گہ زیر زمین ہونا

ہونا بے کہیں ہونا

میں کون ہوں بادل ہوں!

ہر سمت کو جاتا ہوں

ہر رنگ میں آتا ہوں

روتا ہوں روتا ہوں

میں کون ہوں بادل ہوں

مستی میں اگر آؤں !
میخانے بساجاؤں
خود زو کے رُلا جاؤں
میں کون ہوں بادل ہوں
طوفان ہوں حمل ہوں
رستہ ہوں کہ منزل ہوں
میں واصفِ بادل ہوں
میں کون ہوں بادل ہوں

مُساوَر

فردزاں انجمن سے جا رہا ہوں
شبِ تاریک سے گھبرا رہا ہوں
مجھے اک سانس نے گل کر دیا ہے
میں طوفانوں میں بھی جلتا رہا ہوں
ادھوری داستانِ زندگی کو!
سکوتِ مرگ میں ڈبہا رہا ہوں
بدن کی چار دیواری کے اندر،
میں اپنی روح چنوا تا رہا ہوں!
ہر اک انسان سے تھا پیار مجھ کو
میں ہر انسان سے ڈرتا رہا ہوں
جہاں پتھر بستے تھے وہاں بھی،
مثالِ آئینہ رہتا رہا ہوں!
میں دریا کی جواں موجوں کے اندر
نہ پوچھو کس قدر پیاسا رہا ہوں

بزنگِ قطرہِ شبِ بنم گلوں پر !
کمالِ ضبط سے ٹھہرا رہا ہوں !
نگاہوں کے چھلکتے ساغزوں کو ،
میں اک دیوانگی کتار رہا ہوں !
چمن کی بے زباں کلیوں کے دل میں
میں دھرکن کی طرح سہارا ہوں ۔
گلوں کے چاک بھی دیکھے ہیں میں نے
پس کمانوں سے بھی وابستہ رہا ہوں !
بچا کرتی تھیں جو رستے میں میرے
میں ان نظروں سے بھی گرتا رہا ہوں
جفا پر دور رسوں سے ہمیشہ ،
دفل کے تذکرے سننا رہا ہوں
میں ہر ہمراہ سے دامن بچا کر !
کیلے راستہ چلتا رہا ہوں !
سفر درمیش تھا صحرا کا مجھ کو ،
میں اپنے ساتے سے بچتا رہا ہوں

نگاہوں کی صدا میں بھی سُنی ہیں،
دلوں کا حال بھی پاتا رہا ہوں
مجھے سُورج سے بھی نسبت ہی ہے
میں کرنوں کی طرح بکھرا رہا ہوں
فلک سے ٹٹنے والے تارے
میں خاکِ راہ سے چُنتا رہا ہوں
کسی غم کا بنا ہوں میں نوالہ!
کسی غم کو میں خود کھاتا رہا ہوں
جنہیں میں نے کبھی اپنا نہ سمجھا،
انہیں میں یاد بھی کرتا رہا ہوں!
سبب پوچھو نہ اس بیگانگی کا!
نہ پوچھو کس لیے تنہا رہا ہوں
مجھے فطرت نے بخشتی چشمِ بیا،
میں رنگوں کی صدا سُنتا رہا ہوں!
کسی دل کی بجھا کر آگِ واصف!
میں اپنی آگ میں جلتا رہا ہوں!

راتیں

جناح کا تصور رات سے خاکہ

شرح و تلیل ہیں گیسوے معنبر راتیں،
نصرتِ دینِ محمدؐ کی پیمبر راتیں
ایسی راتوں میں بنا کرتی بے تاریخ اُمم
لا الہ الا کہہ کے ابھرتی ہیں اُفق پر راتیں
ایسی راتوں کے اندھیروں کو اُجالوں کا سلام
نورِ ایمان و یقین سے ہیں منور راتیں!
ایسی راتوں میں چلا کرتی بے شمشیرِ علیؑ
خونِ کُفتاز سے تر ہوتی ہیں خود سر راتیں
ایسی راتوں میں ملا کرتا بے منزل کا سلام
شبِ اسریٰ کی قسم دن سے ہیں بہتر راتیں
ایسی راتوں میں شیاطین کے سر کٹتے ہیں
صفِ اعداء کو الٹ دیتی ہیں خنجر راتیں

پیڑ چُپ چاپ، مکاں بند، فضا میں ساکت
ہار سناٹوں نے گوندھے میں پرو کر راتیں
موجِ حیرت ہے فلک اور زمیں ہے خاموش
خرمنِ کفر پہ اُتری ہیں یہ آسگر راتیں
ایک مدت سے نگہ ڈھونڈ رہی تھی ان کو
آج آتی ہیں بہت دُور سے چل کر راتیں
ایسی راتوں میں قریبِ رگِ جاں ہے کوئی
شانہ دل پہ پریشاں ہیں بکھر کر راتیں
صفِ شکن شیرِ جوانوں کی جوانی کی قسم،
دیکھنے آتی ہیں سلام کا شکر راتیں
ذرے ذرے کے جگر سے یہ صدا آتی ہے
اوڑھ کر آتی ہیں تطہیر کی چادر راتیں!
جامِ دمیںنا لیے آتی ہیں شہیدوں کے لیے
متے خونناب کے پردے میں ہیں کوثر راتیں
میرے شہباز مجاہد میرے جانناز جواں،
مُسکراتی ہیں ترے دیکھ کے تیور راتیں!

تو اکیلا نہیں میدان میں بیدار کہ آج
 ہم بھی کرتے ہیں بسر پھینک کے بستر راتیں
 باعثِ شکر کہ افلاک سے چل کر آتیں !
 اپنے بازو میں لیے قوتِ حیدر راتیں
 یا علیؑ کہہ کے بھینا بے صف اعدا پر !
 کاٹنے آئی ہیں کُفتار کے شہر راتیں
 حشر تک یاد کرے گا انہیں کانفرنس دہن
 اپنے پہلو میں لیے بیٹھی ہیں محشر راتیں !
 صبح لاتے گی ابھی فتحِ مبسب کا مُرزدہ
 آئی ہیں نور پہ ہونے کو نچھاور راتیں !
 چشمِ بینا سے ٹپکتے ہیں جو آنسو و اصحف
 انہی اشکوں کو بنا جاتی ہیں گوہر راتیں !

”جنوں و خرد“

خرد کا اصل یہی ہے کہ ہے ربیب و لعین
جنوں کا اصل ہے مشکل کشا۔ امیر و معین
جنوں کہے نہ انا الحق تو پھر جنوں کیسا !
خرد یزید جنوں ستید امام مہسین
”خرد کے پاس خبر کے سوا نہیں کچھ اور“
جنوں مگر ہے، دو عالم کا راز دار و امین

خرد حدوث میں پابند، حادث و فانی
 جنوں تسلیم ہے قائم ہے صورتِ نسیم
 خرد کے پاس ہے انبساطِ دولتِ دنیا
 جنوں کے پاس فقط آہ و نالہ، نانِ جوئی
 خرد کا زورِ جماعت کے دست و بازو پر
 جنوں کے پاس بڑا راز ہے کہ خاک نشین
 خرد کے دل میں ہے کھٹکا غریب ہونے کا
 جنوں کو درڈ کی دولت سے مل گئی تسکین
 خرد بتاتے کہ کعبہ ہے کس لیے عزمِ پوش
 جنوں بتاتے کہ ہے کون اس مکان کا مکین
 خرد نہ جانے کہ کعبہ ہے خود امامِ جہاں !
 جنوں کی راہ سیاہ پوش ہے عزمِ مسکین
 خرد ہے متاثر اصلاحِ مائلِ ترمیم
 جنوں کو خد سے کہ اس کو نہ کیجئے تاقین
 خرد ہوتی ہے پریشاں کہ آگ روشن ہے
 جنوں شکیل ہے بار و سلاحتی پہ یقین

خرد نے پایا ہے تسخیرِ کائنات کا راز،
جنوں بلند، فنا و بقا بھی زیرِ نگین!
خرد خلاؤں کو بے آسِ پسِ لڑھی لیکن،
جنوں کے پاؤں کے نیچے ہے جوہرِ تسکین
خرد کو رازِ انا الحوتی پہ برہمی جواز
جنوں یسبح لله کے راز کا ہے امیں
خرد کے لب پہ ہے لا الہ الا اللہ!
جنوں یہ کتا ہے دل اس کا ہم زبان نہیں
خرد کا جامہ ہے رنگین اور قبا عالی،
جنوں کے جسم پہ کاغذ کا پیرہن بھی نہیں
خرد کی بات نہ تھی جب ملا وطنِ مہم کو
جنوں ہوا تھا ہما جس در وطن سے دور کہیں
خرد کی چال تھی تقسیمِ خون کی گویا!
جنوں تھا جذبہ ایشار میں سراپا یقین
خرد نے قافلے کوٹے تو بن گئی تارِ بنخ
جنوں کا حرفِ شکایت بھی ہم کو یاد نہیں

خود سے کام نہ لو، لآلہ کے متوالو
جنوں کو کام میں لاؤ مزید وقت نہیں
خود سنبھالتی پھرتی ہے چارٹسکوں کو

جنوں ہے برقی تپاں چھوڑے لاکھ تک بھی نہیں
خود کے مسلم میں ہو گا کہ در پہ دشمن ہے
جنوں بھی خوب سمجھتا ہے کارِ دشمن دیں
خود کی دنیا متاع الغرور ہے بے شک
جنوں کا گرز بنے گا خود کا یوم الدین
خود جنوں کے نشیب و فراز کیسا جانے

جنوں کے اپنے ہیں افلاک اس کی اپنی زمیں
خود نے کر دیا اقبال کو حرم بیسزاد
جنوں نے مردِ ستلندر کو کر دیا شاہیں
خود بیرسٹر دسر ڈاکٹر ابو جتساوید!

جنوں ہے نالہ شب گیر فستہ گوشہ نشین
خود نے خوب پڑھے ہیں علوم شرق و غرب
جنوں بغیر مگر صورتِ تہا رہ نہیں!

خود نے بات نہ بدلی تو کیسا خرد مندی
جنوں کو جنبشِ شرکاں کبھی گوارا نہیں
خرد کے سجدے سوتے کعبہ ہمدانی
جنوں کا کعبہ ہے کعبے کا کعبہ یارِ حسیں
خرد گھنٹہ، تفساخر، عنسور کی بستی
جنوں کے پنجے سے ہے چاک جامہ تمکین
خرد بنام خرد اکھا رہی ہے نذرانے!
جنوں ہے دشمن ہر خرقتہ پوش و رہن دیں
خرد نے سبھا ہے تقسیم کا سوال جسے
جنوں ہے ضربِ یدِ اللہی ہونہ چیں بہ چیں
خرد خیال سے پائی ہے بددماغوں نے ،
جنوں ہے فیضِ نظر بے نظر، ملے نہ کہیں
خرد کا راج پر بھٹی کا راج ہے گویا!
جنوں ہے غوری جنوں خواجہ حسین الدین
خرد ہے دیکھ کے حیراں جنوں کی لاٹ بلند
جنوں ہے کشتہ تسلیم خواجہ قطب الدین

خرد کی بستی اجودھن کی راجدھانی ہے
 جنوں پاک تین ہے جنوں سید الدین
 خرد نے دیکھا جنوں کا جمالِ شاہانہ!
 جنوں ہے خسرو جنوں خواجہ نظام الدین!
 خرد ہے کیسے دوزخرد کا مزاج پرویزی
 جنوں کا نام کہیں، میر ہے کہیں شیریں
 خرد کے دام میں آیا سرنگیوں کا جہاں،
 جنوں کو ڈھونڈنے نکلے ہیں پاسکیں جو کہیں
 خرد زباں سے کرے رام رام یا میں!
 جنوں کلیم ہے ظاہر میں گوزبان نہیں!
 خرد کے بعد بنا ہے جمال تبریزی
 جنوں سے قبل تھا رومی فقط جلال الدین
 خرد سے پوچھ نہ افانہ عنہم شبیر!
 جنوں شہید، شہادت جنوں بغیر نہیں!
 خرد کے بھیس میں آنے کو ہے خردِ جمال!
 جنوں امام جہاں آ رہا ہے دیر نہیں

شب چراغ

خرد کے پُرزے اڑیں گے وجودِ امکاں میں
جنوں کے حکم سے باہر نہیں مکان دیکیں

خرد کو ہونا ہے رُسوائے ہر جہاں و اصف
جنوں کی صُبحِ درختاں، جنوں کی شامِ خیں

کشتگانِ جنجشہ تسلیم ہیں لوح و قلم
بے اجازت کس کی ہمت بے اٹھائے اک قدم

خرد کی موت جیسا ہے جنوں کا پہلا قدم
خرد جدیدتِ خوشی ہے جنوں فسانہِ غم
جنوں کو ایک ہی صدمہ ہے کہ غم ہے ہر دم
خرد کو حسنِ طلب، ہر قسم ادا ہے کرم

خرد صحرای کی ہستی ہے جنوں قلم کی مستی ہے
جنوں گنج گراںمایہ خرد کی بات سستی ہے
خرد ڈوبی تفکر میں جنوں افکار کی جنبش!
جنوں حکمت کا موتی ہے خود جس کو ترستی ہے

دُور کی آواز

آ رہی ہے یہ دُور سے آواز

بن کے آئینہ دیکھ رنگِ طلسم

کوئی صورت ہے اور نہ کوئی جسم

ایک آہٹ ہے ایک سایہ ہے

کوئی احاس بن کے آیا ہے!

میں کہاں ہوں، مجھے نہیں معلوم

میں نہ موجود ہوں نہ ہوں معدوم

پھیلتا ہوں کبھی سمٹتا ہوں

بامِ دور سے کبھی پٹیتا ہوں

گاہ قلم ہوں گاہ قلم ہوں
گاہ ذرہ ہوں گاہ صحرا ہوں
مجھ سے ملنے کو منہ نہیں بے تاب
اٹھ رہے ہیں مری نظریں سے حجاب

حاصلِ زلیت اشکباری ہے
عُسرِ رورو کے ہی گزاری ہے
مجھ کو اُلفت نہیں کسی سے مگر!
میری نظریں میں سارے چہروں پر
زد میں ہوتے ہیں گاہ یہ افلاک!
گاہ میں دم بخود ہوں مشعلِ خاک
جھومتا ہوں میں جوش میں آکر
پلے ساقی کو ڈھونڈتا ہے سرا!
سرمدی مے کے جام پیتا ہوں،
روز مرتا ہوں روز جیستا ہوں!

گاہ پر بت بھی چل کے آیا ہے
میرا سایہ کبھی پر آیا ہے !
میرے احاس میں ہے طغیانی
میرے انکار میں ہے جولانی !

بند کلیوں کو ٹوٹے دیکھا
یہ شگوفہ بھی پھوٹے دیکھا !
میں نے مرجھاتے پھول دیکھے ہیں
مُکراتے بول دیکھے ہیں !
برق کو آشیاں میں پایا ہے
چار تنکوں کو خود جلایا ہے
دجر میں آگے ہیں زراغ وزغن
گرگسوں کو ہوتی چسپن کی لگن
اب عنادل چمن میں بے گل ہیں
دشتوں کے اُڈتے بادل ہیں

آج گلشن میں سب لٹیرے ہیں
گھات میں چار سو اندھیرے ہیں
ذوقِ بجزدہ نہیں جبینوں میں
نورِ ایماں نہیں ہے سینوں میں!
جل رہے ہیں چراغِ مدہم سے
ٹٹمانے لگے ہیں اب غم ہے
اب بہاریں کہاں خزاں نہ رہی
بھل گئی شاخِ آشیاں نہ رہی
گل و لالہ و زگس و سوسن!
چاک ہیں آج سب کے پیراہن
سرد قامت بھی سرنگوں ہے آج
ورد پہلے سے کچھ فزوں ہے آج
گبک تسری و عندلیب، چکور
آج گم گم ہیں جیسے تختی گور!
ہم نے کیسپنا لہو سے جو گلشن
حسرتوں کا وہ بن گیا مدفن!

سب کو بے اقتدار کی خواہش
ایک، دو کیا، ہزار کی خواہش
حاکم وقت جو بھی آتا ہے!
خواہش ذات ساتھ لاتا ہے
یہی کہتا ہے، ہر غرض کا غلام
بھاڑ میں جاتے مملکت کا نظام
جو بھی ہوتا ہے آج ہونے دو
بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے دو!
کون سمجھے گا مری چالوں کو،
بھول جاؤ گے باکالوں کو!
جھوٹا مسکے بھی میرا چلتا ہے
صبح دم بھی چراغ جلتا ہے
راج دھانی میں راج ہے میرا
تخت میرا ہے، تاج ہے میرا
میرے جھنڈے ہوا میں لہراتے
میری ہیبت کے چھاگتے سائے

میری دُنیا، غرور کی دُنیا
کیفِ دستی، سرور کی دُنیا!
میری دُنیا میں تذکرا میرا،
میری دُنیا ہے نفس کا ڈیرا!
میری دُنیا میں کیا نہیں ہوتا
کاٹا دہ ہے جو نہیں ہوتا!
مجھ کو اسلام سے محبت ہے
مے پرستی سے بھی تو رغبت ہے
میری دُنیا خسرو کی عیاری!
اب سیاست بنی ہے مکاری!
یہ زمین ہو گئی ہے میرے نام
آسماں تک چلے گا مرا نظام
تھی یہ مدت سے آرزو میری
لائی منزل پہ جستجو میری!
کوئی فردا نہ کوئی ماضی ہے
حال کی سب کرشمہ سازی ہے

شب چراغ

ہر ستارے کا رہ گزار الگ!
تیرے میرے ہوئے مزار الگ

عُن رہا ہوں میں دُور کی آواز

میرے آنکوں میں بے ضیائے سحر
چشمِ تر کر گئی ہے دیدہ در
رنگِ بدے گا اب زمانے کا

وقت باقی نہیں فسانے کا!
منفعل ہے خرد خُردار کتے
اب جنوں کا مزار ذرا چکتے!
اب فسانے کا ہے نیا عنوان

ایک شعلے کا منتظر ہے جہاں!
ہے ابھی وقت ہوشِ گر آئے
بازی بگڑی ہوئی سنور جاتے
جاننا ہوں کہ بے نیاز ہے تُو،
بھڑک کر کیا فکر کا ساز ہے تُو

تُو جو چاہے تو زندگی آئے !

ورنہ خرمن ہی برق ہو جاتے !

تیری رحمت کا انتظار کروں

کس طرح اپنا بیڑا پار کروں ؟

تُو سَمیع و بصیر ہے مولا !

تُو معین و نصیر ہے مولا !

تُو اگر چاہے بات بن جائے

وعدہ ہاتھوں سے یہ چمن جائے

اس چمن پر ذرا نگاہِ کرم !

سز کو کرتا ہوں تیرے نام پہ خم

مرجا حُسنِ شانِ بیکتائی

تُو تماشا ہے یا تماشا ئی !

کیا نہ آئے گی اب ضیلتِ سحر

کیا بھٹکتا رہے گا ذوقِ سحر

ایک آہٹ کا منتظر ہوں میں

اور ہر شے سے بے خبر ہوں میں

سُن رہا ہوں میں دُور کی آواز

یہ خرد کی ہے جلاہ آرائی

ہم کو آزادی را کس کب آتی؟

جلاگتے ہیں خرد کے مینجانے

سوربے ہیں جنوں کے کاشانے

کیتنی سادہ ہے تلت بیضا

عقل پر پڑ چکا ہے پردہ سا!

یہ ہے اسلامی مملکت بھائی

اس کو کہتے ہیں عالم آرائی

کیوں حقیقت بنی ہے افسانہ

کوئی اپنا رہا نہ بے گانہ!

بوعلیؑ ہے نہ آج ہے شہباز!

کوئی ملتا نہیں مرا ہمراز!

بزمِ اغسیار تک رسائی ہے

چشمِ بیناتری دبائی ہے!

رُخ سے پردہ اٹھا کہ وقت آیا
اپنا جلوہ دکھا کہ وقت آیا !
خود سربسی ہے یا خود آگاہی
ڈھونڈتا ہے تجھے تیسرا راہی
صحرا گلشن میں آبرنگ بہار
ہوں وہی سبزہ گل و اشجار
واسطہ تجھ کو تیری عظمت کا
نصوت و ہیبت و جلالت کا
چھین غاصب کے ہاتھ سے ہیبت
ہم غریبوں کی بن کے آقمت
اپنے بندوں کو باخبر کر دے
دھڑکنیں دل کی تیز تر کر دے
تجھ سے تیری نظر کو مانگا ہے
آہ نے اب اثر کو مانگا ہے

بے نیاز وجود، نورِ تدم
تو غنمی دروت وانی لعیلے
بُتھ کو زیبا ہے بے نیازی مگر
اپنے بندوں پہ ہو کرم کی نظر

واسطہ عاجزی کا دیتا ہوں
بے بسی بے کسی کا دیتا ہوں !
آج اک بات لب پہ آئی ہے
کیا یہی رسمِ آشنا تی ہے !

اس جسارت پہ ہونہ تو برہم
بُتھ کو کیسوتے مصطفیٰ کی قسم !
جانِ عالم ذرا قریب تو آ،
دیکھنے خانہٴ عنبریب تو آ !

رُخ پہ پردہ گرانے والے آ
مجھ کو اپنا بنانے والے آ !
گرم آنسو تجھے بلاتے ہیں !
ہم چراغِ دُعا جلاتے ہیں

آغریوں کا دل کشادہ ہے
جانِ جاں بول کیا ارادہ ہے؟
تجھے ملنے کی آرزو بھی ہے
اپنا انجم رُوبرو بھی ہے
تیرے گلشن میں رنگِ دلوں مجھے ہے
تیرے صحرا کی آبرو مجھے ہے!
غم زدہ کائنات میں تنہا،
گم ہوں میں تیری ذات میں تنہا
دمِ غیلے ہے ایک نعرہ ہو
میں نقطہ میں ہوں اور تُو ہے تُو
تُو نے مجھے بڑا اعزاز
تُو نے مجھ کو بنا لیا، سراز!
کیا بتاؤں تجھے بتا نہ سکوں
پانا چاہوں تجھے تو پانا نہ سکوں
تُو حقیقت بھی ہے گناں بھی ہے
تُو عیاں بھی ہے، تُو نہاں بھی ہے

دارتیرا ہے یار تیرا ہے
عشق باقی رہا سو میرا ہے
تیرے ہی فن کا شاہکار ہوں میں
تُو ہے مخنی تو آشکار ہوں میں !
اپنی ہستی میں گوئیں خاکی ہوں
ہوں تو مٹی مگر بلا کی ہوں !
نام میرا ہی اشکِ فرقت ہے
ذوِ رہ کر بھی تجھ سے قربت ہے
کون ہے تُو بھلا کہاں ہے تُو
مادر لے حدت ہاں ہے تُو
تُو نے بختا ہے مجھ کو قلبِ سلیم
کیوں نہ ہو تیرا فیصلہ تسلیم !
تو میرے پاس کب نہیں ہوتا
گشتہ میں بے سبب نہیں ہوتا
پھر بھی مجھ سے تُو ہم کلام نہیں
کرتِ ارنی مرا امت م نہیں

”تخنُ اقرب“ نظر سے دور نہیں
انکساری ہے یہ عسکر نہیں
میرے سر پر ترا ہی سایا ہے
تُو نے مجھ کو بہت رُلا یا ہے!
دلِ مہجور کی دُعاؤں لے
اپنے بندے کی التجاؤں لے!
سرسنگوں ہونے جاتے آنِ وطن!
کس لیے چپ ہیں پاسبانِ وطن؟

وہ زمانہ بھی کیا زمانہ تھا،!
تجھ سے ملنے کا اک بہانہ تھا!
یہ وطن تیرے نام پر تھا بنا
جانِ عالم تجھے بھی یاد ہے کیا؟
بات کل کی ہے کب پُرانی ہے
اک حقیقت تھی اب کہانی ہے

شب چراغ

یہ حقیقت تھی اِعتبار کی حد
جذبہ لالہ پیار کی حد
وہی، اِسمیر خچوڑ آتے ہیں
آج ہم لوگ ہی پراتے ہیں
موج در موج قافے آئے،
نام تیرا فقط بچا لائے!
جان و عزت کے ساتھ مال گیا
دلِ مہجور بنس کے ٹال گیا
اب غریب الدیار گھر میں ہیں!
منزلیں آج بھی سفر میں ہیں
کیا کریں ہبم بنا کہاں جائیں،
ہم جہاں سے چلے، وہاں جائیں

میرے غم خانہ خیال میں آ
خُنِ کامل ذرا جلال میں آ

آبھی جا اس غریب خانے میں
عمر گزرے نہ آزمانے میں!
آج ہم اشک بار بیٹھے ہیں
مخصوصاً انتظار بیٹھے ہیں!
ہو چکا جو ہوا، ہوا سو ہوا!

اب گر ہے مزاج بدلا ہوا
چاہتا ہوں کہ راز افشا ہوا
تیرا ہلکا سا گرا اشارہ ہو
گر اجازت ملے کروں اعلان
کانپ جاتیں گے جس سے یہ ایوان

کہہ رہی ہے یہ دور کی آواز
آج ان ناخداؤں سے کہنا
جھوٹے ان پارساؤں سے کہنا
رُخ ہواؤں کا اب بدلتا ہے
آنے والا کسی سے ملتا ہے؟

شب چراغ

ٹوٹنے کو خرد کا ہے افسوں
چاند تاروں پہ ہے کندہ جنوں !
شیشہ و جام اب نہیں درکار
آنے والا ہے کوئی جانِ بہار
بے شہیدوں کی سرزمین یہ وطن
اب سلامت رہے گا یہ گمشدہ
اس وطن پر نگاہ ہے اُس کی
یہ زمیں جلوہ گاہ ہے اُس کی !
دین کو جس نے نورِ عین دیا !
یعنی اپنا جگر حسین دیا !

سُن رہا ہوں میں دُور کی آواز
اک نیا مسد کہ بپا ہو گا !
کیا بتاؤں میں اور کیا ہو گا !
اب جنوں ناطقِ چمن ہو گا !
چاک دامانِ مکر و فن ہو گا !

راہبر ایک دیدہ ور ہوگا
راہزنہاں سے بانجبر ہوگا
بن کے ابر بہار آتے گا
دافع انتظار آتے گا ، !
زنگ آکرِ فضل میں بھروے گا
جتنے مشکل میں کام کر دے گا!
پھر نہ ہوگی یہ روز کی تقسیم!
ہو سکے گی نہ دین میں ترمیم!

آنے والے کمال کے دن ہیں
عظمتِ ذوالجلال کے دن ہیں

شب چراغ

بصورتِ اقبال

السلام اے ملتِ اسلامیہ کے جاں نثار
السلام اے پیرِ رومی کے مُریدِ باوقار
وہ تصور جو تجھے رکھتا تھا پیہ، ہم بے قرار
اس تصور کا کیلے کس نے دامن تار تار
رنگِ دُبو میں اُڑ گئی ہے اُس چمن کی آبرو
جس چمن میں تھی ترے نعمت سے فصلِ بہار
آرزو کا مدعا کیا تھا؟ شکستِ آرزو؟
کارواں کو کیا ہوا حاصل بجز گرد و غبار
کس کی غفلت سے شکستہ ہو گئے جامِ دُبو
میکدے کا میکدہ کیوں ہو گیا ہے سوگوار
آہ اے اقبال تو واقف نہ تھا اس راز سے
اس وطن کے راہبیر تجھ کو کریں گے شہساز

لا الہ کے دم سے تھا میرے وطن کا اتحاد
 لا الہ کو چھوڑنے کا ہے نتیجہ انتشار!
 اے خودی کے رازداں فسادیاد ہے فریاد ہے
 ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تیرا انوکھا شاہکار!
 اے شریکِ زمرہ لایحز نون تو ہی بتا،
 نوجوانانِ چین کیوں ہو گئے ہیں اشکبار
 افتخارِ ملک و ملت شاعرِ اسہلام سن!
 یاد کرتے ہیں تجھے لاہور کے سیل و نہار
 شمعِ آزادی جو تیری فکر سے روشن ہوئی
 عزمِ تازہ مانگتی ہے حریت کی یادگار

کیا کہے واصف کہ یہ اقبال کا پیغام ہے
 ہوشیار اہل جنوں، اہل خرد سے ہوشیار

قائدِ اعظم

آدیکھ ذرا رنگِ چین قائدِ اعظم
تنظیمِ اخوت ہے نوابِ عزم و یقین ہے
گلشن کی تباہی کا سماں پیشِ نظر ہے
بخشا تھا جسے تو نے اُجالوں کا لبادہ
پاکیزہ سیاستِ زمامت رہی باقی
نشاہیں کیلئے موت ہے کرگس کی غلامی
بے رنگ ہوتے سر و سمن قائدِ اعظم
ہم بھول گئے عہدِ کھن قائدِ اعظم
اُڑتے ہیں یہاں زراغ و زرغن قائدِ اعظم
اُس قوم نے اوڑھا ہے کفن قائدِ اعظم
دنیا بھی ہے فنِ بین بھی فن قائدِ اعظم
ہے زار و زبول ارضِ وطن قائدِ اعظم

وہ رنگ دکھاتے ہیں سے ہیشیہ گردن
 تو نے ہمیں بخشی تھی جو آزادی کی دولت
 یزخم بھرے گا تو عدو کی ہی لہو سے
 کیا تجھ سے کریں گردشِ فدا کا شکوہ
 اشکوں کا ملامت ہے یہاں میرے چمن میں
 پر دس بنا اپنا وطن قائدِ عظیم
 ہم نصف لٹا کر ہیں گمن قائدِ عظیم
 زخمی ہیں عساکر کے بدن قائدِ عظیم
 کھانے لگی سورج کو کرن قائدِ عظیم
 اُڈے ہیں وہاں گنگ و جمن قائدِ عظیم
 اصنام پرستوں کے لیے صبحِ مُسرت ہے ؟
 و اصف کے لیے رنج و جمن قائدِ عظیم

دُعَا

اللہی واسطہ رحمت کا بُتھہ کو
اللہی واسطہ وسعت کا بُتھہ کو
اللہی واسطہ عظمت کا بُتھہ کو
اللہی واسطہ قوت کا بُتھہ کو
اللہی واسطہ شوکت کا بُتھہ کو
اللہی واسطہ عزت کا بُتھہ کو

خطائیں بخش دے ساری الہی

مصیبت سر پہ ہے بھاری الہی
ہر اک سینے میں دل گہرا رہا ہے
کہ شیرازہ بکھرتا جا رہا ہے !
اخوت ہو رہی ہے پارا پارا

سہارا دے سہارا دے سہارا
خطاؤں سے ہماری درگزر کر !
علاج سوزشِ داغ جگر کر !
حوادث پر حوادث آ رہے ہیں

کیے پر اپنے ہم پھتا رہے ہیں
جو خمی ہے ہماری دُور فرما،

دعاؤں میں اثر ہے میرے مولا !
وطن کی جان ہی پر بن گئی ہے ،

بڑی دولت تھی ہاتھوں سے لٹی ہے
پھٹا امید کا ہاتھوں سے دامن

جلی کچھ اس طرح سے شاخ گلشن

بلائے ناگہاں نازل ہوئی ہے
ہر اک سینے میں جاں بے گل ہوتی ہے

زمانے بھر میں ہم رُسا ہوتے ہیں
ہمارے تذکرے کیا کیا ہوتے ہیں

ہوتی ہے کفر کی یلغارِ مسم پر
ہماری کیوں چلی تلوارِ مسم پر

قیامت ہے قیامت آگئی ہے
نگمہ افکار کی پھتہ آگئی ہے

کہیں اقصیٰ کا ماتم ہو رہا ہے
کہیں حصہ بدن کو رو رہا ہے

کہیں اخبار کی سرخی جمی ہے!
کہیں دوشیزگی ٹوٹی گئی ہے!

کوئی بچہ کہیں اغوا ہوا ہے!
مرے مولا ہمیں کیا ہو گیا ہے

کہیں گھر کو جلا یا جا رہا ہے،
کہیں بھائی کو بھائی کھا رہا ہے!

وطن میں گل بھلاتے جا رہے ہیں

نئے عنوان لاتے جا رہے ہیں

کوئی تخریب کا پیغام بر ہے

کوئی دشمن کا منظورِ نظر ہے!

کسی کو غیر سے امداد آتی!

دہاتے بے دہاتے بے دہائی!

محافظِ دین کے پیرانِ جعلی!

لباؤٹے اوڑھ کر بیٹھے ہیں خالی!

غریبوں کی کھائی کھا رہے ہیں!

توکل کا بیسٹاں فرما رہے ہیں

نہ راہی ہیں نہ رستہ آشنا ہیں!

بزرگم خویش پتے رہنما ہیں

مگر ہے رسم کے قابلِ مُسلمان

کہ تیرا نام لیوا ہے یہ ناداں!

مُسلمان کو مٹایا جا رہا ہے!

گنگھیاں کو سُلا یا جا رہا ہے!

گدہ شکوہ نہیں یہ، البتہ ہے،
مسلمانوں سے کیوں ناراض سلسلے
الہیے یا الہیے یا الہیے !
ہوئے مجبوس کیوں تیسرے سپاہی !
مسلمان کو عطا کر سہرازی !
کہ غازی لے کے آتیں اپنے غازی
مسلمان کو بنا پتہ مسلمان !
بنے اب غیب ہی سے کوئی سماں
مسلمان سے مسلمان دور کیوں ہے
ہر اک اپنی جگہ مجبور کیوں ہے !
مسلمان کا لہو ازراں ہوا ہے !
چمن تو حید کا ویراں ہوا ہے
ترے محبوب کی محبوب امت
زمانے میں ہوتی غوقِ ندامت !
مسلمان کو عطا کر زور حیدر،
صفِ دشمن کو تو زیرِ وزبر کر !

بجائت کو تو اپنے کرم سے ،
کریما نہ نظرت پھیر ہم سے !
کہ تیرے ہی کرم کا آسرا ہے
دگر نہ پاس اپنے اور کیا ہے !
خدایا بس تری رحمت ہے درکار
ہمیں معلوم ہے ہم ہیں گنہگار !
فقط اک آسرا باقی ہے تیرا ،
دگر نہ چار سو چھایا اندھیرا
گناہوں نے دعائیں چھین لی ہیں
خطائیں کچھ زیادہ ہنسے کی ہیں !
مگر رحمت تری حلوی غضب پر
کرم کریا الہی اور سب پر !
خدایا اپنی رحمت عام کر دے
بہت بگڑا ہوا ہے کام کر دے
کرم کی اک نظر ہو جان عالم ،
سوالی ہیں ترے با چشم پر نم !

شب چراغ

تجھے سب اولیاء کا واسطے ہے
شہید کر بلا کا واسطے ہے!
علی المرتضیٰ کا واسطے ہے!
محمد مصطفیٰ کا واسطے ہے!
میرے منعم کر اب حاجت روائی،
میرے بادی بس اب ہو رہسنائی
ہٹا دے سب کی رغبت ماسوائے
مُحبت ہو تو محبوب خُدا سے
کہ غاصی ہیں ترے در کے سوالی
کوئی کاسہ نہ اب رہ جائے خالی
بھروسہ غیبر کا ہم سے اٹھلے
ہمارا بن تمہیں اپنا بنا لے!
ترے در پر نگوں ہر اک جبیں ہو
فرزوں قلب میں شمع یقین ہو!
نبی کی آل کا خادم بنا دے،
مسلمانوں کو سیدھی رہ دکھانے

بے تیری ذات حاوی بر جہاں پر
ز مالوں پر زمیں پر آسماں پر
ترے آسمانے حُسنی کا مہارا
وگر نہ کون سے اپنا ہمارا
حکومت چاہتے ہیں ہم اللہ کی
غلامی مانگتے ہیں مصطفیٰؐ کی !
صحابہؓ کی عقیدت بد مانگتے ہیں
بخنا، صدق و عدالت مانگتے ہیں
شجاعت اور دستِ مرتضیٰؐ کی
یہی ہے آرزو اپنی دُعا کی
تو اپنے دوستوں کو حکم نہ دے
کہ ہو جائیں اکٹھے سارے یکجا
وطن تقسیم پھر ہونے نہ پاتے ،
کہیں یہ شمع ہی گل ہو نہ جائے
عطا کر اپنے سب منحنی خزانے
کہ ہوں آباد اُجڑے آشیانے !

مریضوں کو مرے مولا شفا دے
غریبوں کو کٹکتشس یا خدا دے
تجھے ہے واسطہ تیری طلب کا،
بنا دے اپنا ذاکر قلب سب کا
اسیروں کو مرے مولا رہا کر !
کریمانہ نظر میرے خدا کر !

الہی بخش مجھے سب کی خطا کو ، !
قبولیت لے میری دعا کو !

سُخْنِ دَر سُخْنِ

(غزلیں)

شب چراغ

۱۲۵

اب کیا جو فغاں میری پہنچی ہے ستاروں تک
تُو نے ہی سکھاتی تھی مجھ کو یہ نزلِ خوانی !
«اباں»

شب چراغ

روائے شب سے ورا آفتاب تھے کتنے
ہماری اپنی نظر پر مجاب تھے کتنے!
یہ دیکھنے کو میں بڑھتا رہا گناہ کی سمت
کہ عاصیوں پہ کرم بے حساب تھے کتنے
اک آسمان مری گود میں تھا بھر کی شب
قدم قدم پہ درخشاں شہاب تھے کتنے
سحر کے وقت فضاؤں سے تیرگی نہ گئی
عروسِ صبح کے رُخ پر نقاب تھے کتنے
جنوں کی ایک ہی جنبش سے پھٹ گئے بادل
خرد کی تیرہ فضا میں سماں تھے کتنے
کہاں تھا دشتِ طلبِ حُسنِ زندگی سے تھی!
خلوص و مہر و وفا کے سراپے تھے کتنے
گھلی جو آنکھ پسِ مرگ تو یہ راز کھلا،!
کہ ایک خواب کے عالم میں خواب تھے کتنے

ظاہر میں گرچہ جسم مرا بے خراش ہے
 احساس کا وجود مگر قاش قاش ہے
 تیری نظر ہے مطلعِ انوارِ صُبح پر،
 میری نظر میں ڈوبتے سورج کی مہاش ہے
 آواز دے کے آپ تو خاموش ہو گئے
 پیرے لہو میں اب بھی وہی ارتعاش ہے
 ٹھہرے سمندروں کی طرح تم ہو بے طلب
 آبِ رواں ہوں، مجھ کو تمہاری تلاش ہے
 سنگِ خزاں سے دستِ صبا نے لیا ہے کام!
 آئینہٴ جمالِ چمنِ پاش پاش ہے
 انسانیت کی موت ہے وہ دورِ اقتدار
 جس دور میں "صحیفہٴ فطرت" نراش ہے
 و اصف یہ کس مقام پہ لایا مجھے جنوں!
 اب ان کی جستجو ہے نہ اپنی تلاش ہے

گردِ سفید میں قافلہ ملت کا اٹ گیا
یہ سانحہ بساطِ بے یقینوں کو الٹ گیا
ہم اپنے آپ میں ہی تجھے ڈھونڈتے رہے
تیرے مسافروں کا سفر گھر میں کٹ گیا !
تھا اک غدا بے کھرا نشیمن مرے لیے
مرہونِ برق ہوں کہ یہ قصہ نمٹ گیا !
کچھ اس طرح سے مجھ کو ملی دادِ تشنگی !
میرے قریب آ کے سمندر سمٹ گیا !
ہے میری عاجزی کو ہر اک دور میں ثبات
اور آپ کا غورِ غبارہ تھا پھٹ گیا
پہلا قدم ہی عشق میں ہے آخری قدم
محرّمِ عشق ہے جو ارادے سے ہٹ گیا
دورِ غم میں تیرگی کتنی فضا میں تھی !
واصف جنوں کے دور میں ماحول چھٹ گیا

گلہ نہیں ہے اگر میں تیری نظر میں نہیں
 ستارہ کوئی بھی اس وقت اپنے گھر میں نہیں
 تری طرح مری دنیا میں، ہتھیار کے
 مری طرح کوئی بے بس ترے نگر میں نہیں
 کیا ہے فنِ شکر نشین سے برق نے آزاد
 خدا کا شکر کہ اب میں کسی خط میں نہیں
 اب اعتبار کسی کا کوئی کرے کیسے
 بھنورے کشتی میں، کشتی کسی بھنور میں نہیں
 کوئی امیر ہوا اپنی بلا سے، کوئی غریب
 سوال اتنا ہے کیوں فرق خیر و شر میں نہیں
 اس ارتقا کا نہ جانے زوال کیا ہو گا
 بشر کی کوئی صفت آج کے بشر میں نہیں
 چلے ہو ساتھ تو ہمت نہ ہارنا و اصف
 کہ منزلوں کا تصور میرے سفر میں نہیں

رازِ دل آتش کار آنکھوں میں
حشر کا انتظا آنکھوں میں
وہ بھی ہو گا کسی کا نورِ نظر
جو کھٹکتا ہے خار آنکھوں میں!
لے کے اپنی نگاہ میں تسلیم
آمری ریگ زار آنکھوں میں
کچھ بگولے سے رقص کرتے ہیں
کچھ گریباں کے تار آنکھوں میں
رہ گئی کان میں صائے درجس
کارواں کا غب آنکھوں میں!
چھوڑ کر چل دیا ہے عہدِ جنوں!
اک حسین یادگار، آنکھوں میں!

ابرِ رحمت مری نظر سے گزرا!
جل رہے ہیں چنار آنکھوں میں!
مجھ کو جو کچھ ملا، مری قسمت،
تو بے کیوں شرمسار، آنکھوں میں
رات کیسے بسر ہوئی و اصف!
دن کو بے کیوں خمار آنکھوں میں!

آنکھ برسی تو بے بہا برسی !
جیسے برسات میں گھٹا برسی
زندگی میں مرا خیر ال نہ تھا
بعد مرنے کے اب منا برسی !
دامن گل پہ گوہرِ شبنم
ہو گئی جس کی چشمِ وا، برسی
آسمانوں سے نور برساتا تھا
آسمانوں پہ خاک، برسی

مجھ میں تجھ میں یہ فرق تھا و اصف
آنکھ میری، تری قبہ برسی !

ہر شام گرچہ آتی نظرِ حوصدِ شکن
ہر صبح نے دیا ہے مجھے عزم کو ہن
کیا گل کھلا گئی ہے عبا صحنِ باغ میں
شاخیں ہیں سر بریدہ، شاگو نے دریدہ تن
انجام تھا نوشتہ دیوار کی طرح !
آغاز ہی سے ٹوٹ رہا تھا مرا بدن
ایسے میں روشنی کی تماشہ ہا زندگی
جب آفتاب سے ہو گریزاں کرن کرن
ڈھلتا رہا خیالِ مرا حرفِ مصوت میں
تخلیلِ جان کے بعد ملا گوہرِ سخن
دیوانگی کے بسند ملی مجھ کو آگہی !
میرے جنوں نے مجھ کو دیا اذنِ پیرہن
واصفِ جہانِ فکر کی تنہائیاں نہ پوچھ !
اہلِ تسلیم کے واسطے خلوت بھی ا.حسن

جو لوگ سمندر میں بھی رہ کر رہے پیاسے
اک ابر کا ٹکڑا انہیں کیا دے گا دلا سے
مانا کہ ضروری ہے نگہبانی خودی کی!
بڑھ جاتے نہ انسان مگر اپنی قبلا سے
برسوں کی مسافت میں وہ طے ہو نہیں سکتے
جو فاصلے ہوتے ہیں نگاہوں میں ذرا سے
تُو خون کا طالب تھا تری پیاس بجھی ہے،
میں پاتا رہا نشوونما، آب و ہوا سے!
مجھ کو تو مرے اپنے ہی دل سے ہے شکایت
دنیا سے گلہ کوئی نہ شکوہ ہے خدا سے
ڈر ہے کہ مجھے آپ بھی گمراہ کریں گے!
آتے ہیں نظر آپ بھی کچھ راہنما سے

دم بھر میں زمیں بوس وہ ہو جاتی ہے واصف
تعمیر نکل جاتی ہے جو اپنی بنا سے!

رستے میں اک شجر ہے زمیں پر پڑا ہوا
سایہ مگر ہے اپنی انا پر اڑا ہوا !
دیدہ دروں نے اُس کو بنایا امیر شہر
تھا جس کی چشم کور میں پتھر جڑا ہوا
کس کس سے تعزیت کا فریضہ ادا کرے
ہر آدمی کے سر پہ ہے کتبہ گڑا ہوا
توڑے گا کون وقت کے ظالم جو فو کو
اہل ہنر کے لب پہ ہے تالا پڑا ہوا

قاتل بھی یار تھے مرے مقتول بھی عزیز
واصف میں اپنے آپ میں نام بڑا ہوا

ہر چہرے میں آتی ہے نظریار کی صورت
اجاب کی صورت ہو کہ اغیار کی صورت
سینے میں اگر سوز سلامت ہو تو خود ہی !
اشعار میں ڈھل جاتی ہے افکار کی صورت
جس آنکھ نے دیکھا تجھے اس آنکھ کو دیکھوں
ہے اس کے سوا کیا تیرے دیدار کی صورت
پہچان لیا تجھ کو تری شیشہ گری سے !
آتی ہے نظر فن سے ہی فنکار کی صورت
اشکوں نے بیاں کر ہی دیا رازِ تمنا،
ہم سوچ رہے تھے ابھی اظہار کی صورت
اس خاک میں پوشیدہ ہیں ہر رنگ کے خاکے
مٹی سے نکلتے ہیں جو گلزار کی صورت
دل ہاتھ پہ رکھا ہے کوئی ہے جو خریدے؟
دیکھوں تو ذرا میں بھی خریدار کی صورت !

صورت میری آنکھوں میں سماتے گی نہ کوئی !
نظروں میں بسجارتی ہے سرکار کی صورت
واصف کو سرِ وارِ پکارا ہے کسبانی
انکار کی صورت ہے نہ اقرار کی صورت

شب چراغ

میں سبراک موج کے بمرآه بکھرنے والا
تُو مجھے دیکھ کے اُس پار اترنے والا،
آج آسب کی مانند ڈراتا ہے مجھے
وہ جو کل تک تھامرے ساتے ڈرنے والا
اپنے چہرے میں دکھا جاتا ہے کتنے چہرے
اجنبی بن کے نگاہوں سے گزرنے والا
آج اک درد کی تصویر بنا بیٹھا ہے
رنگ انکار کی تصویر میں بھرنے والا!

کوئی شکوہ نہ شکایت رہے باقی واصف

آنکھ اک بار ملاتے تو مگر نے والا !

چھوڑ کر جانہ مجھے رنگِ مدارات سمجھ
میرے سلتے کو مری طرح مری ذات سمجھ
میرے الفاظ کی ترتیب پر برعم کیوں ہے
میرے الفاظ میں پوشیدہ ہے جہات سمجھ
مخمسب جھوٹے گواہوں کی گواہی پہ نہ جا
غور سے دیکھ مجھے صورتِ حالات سمجھ
اپنے شاداب حسین چہرے پہ مغرور نہ ہو
زرد چہروں پہ جو لکھے ہیں سوالات سمجھ
شاخ سے ٹوٹے ہوئے پتے کا پیغام بھی سن
جھومتی گاتی بہاروں کی مکانات سمجھ
چھوڑا اب کوئے تمنا سے گزرنے کا خیال
کہہ رہی ہے تجھے کیا گردشِ حالات سمجھ
کوئی درویش، خدامت، قلندر، واصف
آگیا تیرے مقابل تو وہیں مات سمجھ

ہر انسان ہی کہتا ہے۔ دکھو تو اب کیا ہوتا ہے
رستے میں دیوار کھڑی ہے، اتنا تو سب کو دکھتا ہے
چاروں سمت اندھیرا پھیلا، ایسے میں کیا رستہ سوچے
پریت سر پر ٹوٹ ہے میں، پاؤں میں دریا بہتا ہے
میری سندرتا کے گنے چھین کے وہ کہتا ہے مجھ سے
وہ انسان بہت اچھا ہے جو ہر حال میں خوش رہتا ہے
اک چہرے سے پیار کروں میں، اک سے خوف لگے بے جھکو
اک چہرہ اک آیت ہے، اک چہرہ پتھر لگتا ہے
میں تقدیر زمانے بھر کی، ہر انسان ممتد میرا
جرم کسی کا چلتے چلتے میرے ہی سر آ پڑتا ہے
کتنے جلوؤں سے گزرا ہوں، کتنے منظر دیکھے میں نے
اب بھی آنکھ سے اُدھیل ہے وہ جو میرے دل میں رہتا ہے
دھوپ اور چھاؤں سے بنتا ہے سستی کا افسانہ واصف
بڑھ جاتے ہیں دم کے ساتھ، عزم کا سورج جب ڈھلتا ہے

لب پہ آکر رہ گئی ہے عرضِ حال
 عشق کیا ہے آرزوئے قریبِ حُسن
 اس زمانے میں سکون کی آرزو!
 چارہ گرا اپنی مسیحائی کو چھوڑ
 دل لگی جس کو سمجھ بیٹھے ہو تم!
 تنگدستی اور ان کی آرزو!
 پھر وہی میں ہوں وہی انکی طلب
 دقت کی آواز پر چلنا درست
 کیا کرے خورشید سے ذرہ سوال
 حُسن کیا ہے عشق کا حُسنِ خیال
 اس زمانے میں سکون بنا محال
 اُن سے ملنے کی کوئی صورت نکال
 یہ کسی کی زندگی کا ہے سوال!
 اک قیامت ہے وبالِ اندر وبال
 پھر کسی طوفان کا ہے استمال!
 دقت کو آواز دینا ہے کمال
 دھل نہیں سکتے کبھی و اصف علی
 شعر کے سانچے میں انکے خدو خال

یہ روشنی ہے مانگی ہوتی آفتاب سے
ڈرتا ہوں اس لیے میں شب بہتا ہے
رحمت نے تیری مجھ کو گلے سے لگایا
میں ڈر رہا تھا ورنہ حساب و کتاب سے
میں بھی سوال کر کے بڑا منفعل ہوا،
نادم ہوتے ہیں آپ بھی اپنے جواب سے
ذوقِ نظر طے تو تماشا ہے کائنات
ہر ذرے میں چھپے ہیں کئی آفتاب سے
پہلے تو اپنے آپ کو ایک آئینہ بنا
وہ خود نکل کے آئیں گے اپنے نقاب سے
کیا فرض، نفس رہے آسودہ بہار
آتی ہے بونے خون بھی بونے گلاب سے
کس کے لبوں سے دامنِ تقدیر میں محتسب
رنگین تر ہے، صورتِ صہبائے ناب سے

کیا بدگمانیاں تھیں حقائق کے ضمن میں ،
کتنی ترقیات تھیں وابستہ خواب سے
گھمائے رنگ رنگ کا مسکن ہے یہ زمیں
نسبت ہے خاک کو بھی شہِ بڑا ہے
جس ذات پر نزولِ کلامِ مجید ہو
وہ ذات کم نہیں ہے مقدس کتاب ہے
اس دور پر فریب میں واصف و فاکماں
دنیا نکل چکی ہے وفا کے سراب سے

کرات کئے کب ہو سکتے ہیں
کب ہو گا دعاؤں میں اثر کہ نہیں سکتے
چلتے ہیں تو رستہ ہمیں رستہ نہیں دیتا
ہے طرفہ ستم گھر کو بھی گھر کہ نہیں سکتے
لے جاتے گی کس سمت ہوا کچھ نہیں معلوم
کس دیس میں اب ہوگی بسر کہ نہیں سکتے
جس ذات سے منسوب کئے بیٹھے ہیں خود کو
اُس کو بھی بے کچھ اس کی خبر کہ نہیں سکتے
واصف یہی ہر کس و ناکس کی زباں پر
ہم جانتے سب کچھ ہیں مگر کہ نہیں سکتے

کل تک جو کہے تھے بڑے حوصلے کی بات
 ہے اُن کے لب پہ آج کھٹن مرحلے کی بات
 جس کا رداں کے سامنے تارے نگوں رہے
 صحرا میں اُڑ گئی ہے اُسی قافلے کی بات
 آخر سرِ غرور نے سجدہ کیا اسے
 یوں مختصر ہوئی ہے بڑے فاصلے کی بات
 راہِ طلب میں ہنسم سے کوئی بھول ہو گئی
 کیوں کر ہے میں آپ ہمارے صلے کی بات
 ہم نے تو عرض کر ہی دیا حرفِ مدعا
 اب آپ ہی کریں گے کسی فیصلے کی بات
 اُن کی تلاشِ اصل میں اپنی تلاش ہے
 کس سلسلے سے جا ملی کس سلسلے کی بات!
 واصف دیارِ عشق میں لازم ہے خامشی!
 مر کر بھی لب پہ آئے نہ ہرگز گلے کی بات

تُو فیصلہ ترکِ طاقت میں گم ہے
بندہ تیرمی دیرینہ عنایات میں گم ہے
ہم منزلِ بے نام کے راہی ہیں ازل سے
تو تذکرہٴ حُسنِ مقامات میں گم ہے
شادابی گلشنِ کوبیا باں نہ بناوے
وہ شعلہٴ بے تاب جو برسات میں گم ہے
”ہے گردشِ دوراں کا، غماں گیر قلندر“
گم کر وہ روایات، مگر ذات میں گم ہے
منزلِ بے بہت دور مگر حُسنِ تقریب !
واضعف ترے قدموں کے نشانات میں گم ہے

کیا جلتی ہوئی ریت پہ ہم ڈھونڈ رہے ہیں
 صحرا میں ترا نقشِ قدم ڈھونڈ رہے ہیں!
 دیرینہ عنایات ہی کچھ کم تو نہیں تھیں
 وہ اور ہی اندازِ کسٹم ڈھونڈ رہے ہیں!
 یہ ہم ہیں تو وہ کون ہے وہ ہم ہیں تو یہ کون
 کچھ اڈر ہی آئینے میں ہم ڈھونڈ رہے ہیں
 ہوتا ہے کبھی شوق بھی اس زاہ میں جاہل
 ہم یار کو باویدۂ نم ڈھونڈ رہے ہیں!
 جس دن سے شناسائی ہوئی آپ کے عزم سے؟
 اس دن سے مجھے سینکڑوں غم ڈھونڈ رہے ہیں
 سہمی ہوئی ویران گزرگاہِ نظر میں
 آجا کہ ننھے آج بھی ہم ڈھونڈ رہے ہیں!
 واصیف ہمیں کیا واسطہ ہے بام و سبوت
 میخانے میں ہم شیخِ حرم ڈھونڈ رہے ہیں

سنگِ درِ حبیب ہے اور سرِ غریب کا !
کس اونچ پر ہے آج ستارہ نصیب کا
پھر کس لیے ہے میرے گناہوں کا احتساب
جب واسطہ دیا ہے تمہارے حبیب کا !
راہِ فراق میں بھی رستِ سفر رہا ،
زخمِ جگر نے کام کیا ہے طبیب کا
منصور ہے نہ کوئی مسیحا نطفہ میں ہے
کیا ہے محل ہے تذکرہ دارِ وصلیب کا !
رکتا ہے بے ادب بھی یہاں زعم آگہی
یہ حال ہے تو حال نہ پوچھو ادیب کا !
یہ بارگاہِ حسنِ دو عالم نہ ہو کہیں
ہے پاسباںِ قیب یہاں کیوں قیب کا
واصفِ علی تلاش کرے اب کہاں تجھے !
دُور می کو جب ہے تجھ سے تعلقِ قریب کا

نہ آیا ہوں نہ میں لایا گیا ہوں
میں حرفِ کن ہوں نہ مرایا گیا ہوں
مری اپنی نہیں ہے کوئی صورت !
برپاک صورت سے بہلایا گیا ہوں !
بہت بدلے مرے انداز لسیکن
جہاں کھویا وہیں پایا گیا ہوں !
وجودِ غیر ہو کیے گوارا ،
تری راہوں میں بے سایا گیا ہوں !

نہ جانے کونسی منزل ہے واصف
جہاں نہلا کے بلوایا گیا ہوں !

تیری نگاہِ لطف اگر ہمسفر نہ ہو
دشواریِ حیات کبھی مختصر نہ ہو

اتنا ستم نہ کر کہ نہ ہو لذتِ ستم
اتنا کرم نہ کر کہ مری چشم۔ تر نہ ہو

یہ بھی درست، میرے فسانے ہیں چارو
یہ بھی بجا۔ کہ آپ کو میری خبر نہ ہو

میری شبِ فراق نے دی مجھ کو یہ دُعا
دامن میں تیرے آہِ سحر ہو، سحر نہ ہو

اس دہریہ میں عروج کا بلنا محال ہے
ہستی کے ہرزوال پہ جبک نظر نہ ہو

اُس پر کرے گا کون زمانے میں اعتماد
اپنی نظریں ہی جو بشرِ معتبر نہ ہو!

و اعمقِ عبث ہے بحث! اے دیرِ غریب کی

جب تک عبورِ فلسفہ خیر و شر نہ ہو

کبھی بلا کے کبھی پاس جا کے دیکھ لیا
 فسوں سوزِ دروں آزما کے دیکھ لیا
 بٹھا کے دل میں تمہیں بارہا نسا ز پڑھی
 تمہارے گھر ہی کو کعبہ بنا کے دیکھ لیا
 متاعِ زلیت بنے تیرے نقشِ پا کی قسم
 وہ اشک تو نے جنہیں مسکرا کے دیکھ لیا
 تر نے ہوا تیری اس کائنات میں کیا ہے

جلا کے دیکھ لیا دل بھجا کے دیکھ لیا!
 کلیم ہوش کو کب تابِ حسنِ نظارہ
 یہ طورِ دل ہے کہ خود کو جلا کے دیکھ لیا
 بنے وہ شبنم و گلِ عنذلیب و سرو و بن
 نگاہِ شوق نے آنسو بہا کے دیکھ لیا
 نظر ہے شیشہ و ساغر، نظر ہے مے و اصف
 نظر کا جامِ نظر کو پلا کے دیکھ لیا!

تہا سفر میں یا میں کسی انجمن میں ہوں
یارو میں بے وطن ہوں کہ اپنے وطن میں ہوں
ہے شام انتظار بھی میری نگاہ میں !
کننے کو التفات کی پہلی کرن میں ہوں !
دُنیا کا احترام، کہ طالب ہے آپ کی
میرا بھی احترام، کہ اپنی لگن میں ہوں !
اہلِ خود کے اب تو گریبان چاک ہیں،
میرے جنوں کی خیر کہ میں پیر ہن میں ہوں
بے حرفِ آرزو بھی غلط جس مقام پر ،
واصف میں اس مقام پہ ذوقِ سخن میں ہوں

تیری طلب میں جاں بلب ہو گیا ہوں میں
 آنے کا تیسے کیوں بھی سبب ہو گیا ہوں میں
 تو ہے کہ تھکو نصرتِ یک گام بھی نہیں
 میں ہوں کہ تیری راہِ طلب ہو گیا ہوں میں
 میں تیری جستجو میں بڑی دور آ گیا
 تجھ سے بھی بے نیاساب ہو گیا ہوں میں
 گل کر کے آرزو کئے دیتے اپنے ہاتھ سے
 خود تیرے انتظار کی شب ہو گیا ہوں میں
 رہتا ہوں دور دور میں تجھ سے بھی اس لیے
 تنہائیوں میں رہ کے عجب ہو گیا ہوں میں
 سمجھو اگر تو عزم ہے مری کائنات میں
 دیکھو اگر تو موجِ طرب ہو گیا ہوں میں
 دشتِ جنوں میں آتے ہیں واصف کے ننگار
 صحرا کی رونقوں کا سبب ہو گیا ہوں میں

شب چراغ

شام تو شام، صبح بھی ہے رات
جیسے مفلس کی زندگی ہے رات
رقص کرتے ہیں جب درو دیوار
دل کے آنگن میں جھومتی ہے رات
آتے آتے پلٹ گیا سورج !
جاتے جاتے مٹھر گنتی ہے رات
پھر کسی زخم نے زباں کھولی .
پھر دبے پاؤں آ رہی ہے رات
بزم ہستی بجا رہی ہے کہیں !
برق بن کر کہیں گری ہے رات
تیرے دامن میں ڈال کر تارے ،
میرے دامن سے آ لگی ہے رات
کس نے آواز دی مجھے واصف !
مجھ سے یہ راز پوچھتی ہے رات

میں اسیر رنگ و بو پابستِ آب و گل رہا
 ذات کا عرفاں مجھے اس حال میں مشکل رہا
 دوستوں نے پھیر لی جب سے نگاہِ التفات
 مہرباں ہو کر میرے گھر میں مراہتِ اقل رہا
 کب مری تخریب میں تیرا تغافل تھا شریک
 کب تری تعمیر میں میرا لہو شامل رہا
 کوئی امداد ہی نہ آیا ڈوبنے والے کے پاس!
 اک بجومِ دوستان یوں تو سرساحل رہا
 دل کے بچھتے ہی چراغِ انجمن خاموش تھا
 دل جلا جب تک بڑا ہنگامہ محفل رہا!
 قربتوں کے برت خانوں میں رہا اک اضطراب
 بھر کے آتشِ کدوں میں اک سکوں حاصل رہا
 ہمسفر و اصف علی - گردِ سفر میں رہ گئے،
 مجھ کو احساںِ ندامت یوں سیرِ منزل رہا

شب چراغ

ملا بے جو متدر میں رستم تھا
زبے قسمت مرے جھٹے میں غم تھا
جب سین شوق نے یہ راز کھولا!
مرا کعبہ ترا نقشِ تدم تھا!
وہ نادم ہو گئے اپنے ستم پر
ستم یہ بھی تو بالائے ستم تھا!
مری کوتہ نگاہی تھی دگر نہ!
ستم اُن کا تو اک حُسنِ کرم تھا

جسے تو رائیگاں سمجھا تھا واصف

وہ آنسوِ فتنہ راجامِ جم تھا!

پھر تجھے یاد کر رہا ہوں میں
پھر زمانے سے ڈر رہا ہوں میں
عزمِ راسخ ہے یا فریبِ خودی
منزلوں سے گزر رہا ہوں میں
اُن کی دیوار کا لے سایہ !
آسمان سے اتر رہا ہوں میں
بے بسی نے ڈبو دیا ورنہ !
قادرِ خیر و شر رہا ہوں میں !
عمر تارِ کیوں میں کاٹی ہے ،
اب اجالوں سے ڈر رہا ہوں میں
کوئی دامن سمیٹ نے مجھ کو ،
آنسوؤں میں بکھر رہا ہوں میں
کیوں نہ واضحف بپا ہواک محشر !
موت سے پہلے مر رہا ہوں میں

شب چراغ

کیا سوچ کے آئے تھے تری بزم میں ہم آج
کیا سوچ کے ہم لوٹے ہیں بادیرہ نم آج
لو وہ بھی پشیمان ہوئے اپنے ستم پر
لو یہ بھی ستم دیکھو بہ اندازِ کرم آج
ہستی کے فسانے کو جو عنوان ملا ہے
پیشانی احساس پہ کرنا ہے رسم آج
نہیں گردشِ دوراں کو سمجھتا ہوں غنیمت
یہ گردشِ دوراں بھی کہیں جاتے نہ تھم آج
وہ سر جو سرفرازی ملت کے میں تھے
وہ سر بھی ہوتے صُوتِ حالاتِ خم آج
مت پوچھتیں ہو گیا مغلوب کہاں کیوں
مت یاد دلا اپنی محبت کی قسم آج

اک بجدہ، بنا مِ دلِ وارفتہ بھی واصف
دروازہ میخانہ بنا، بابِ حرم آج !

زندگی ننگِ دریا سے آگے نہ بڑھی
عاشقی مطلعِ دیدار سے آگے نہ بڑھی !
تیرگی کیسوتے خمدار سے آگے نہ بڑھی
روشنی تابشِ رخسار سے آگے نہ بڑھی
دلبری رونقِ بازار سے آگے نہ بڑھی
سادگی حسرتِ اظہار سے آگے نہ بڑھی !
خود فراموش ترے عرش کو چھو کر آتے،
خواجگی جُبہ و دستار سے آگے نہ بڑھی
بس میں ہوتا تو تری بزم سجاتے ہم بھی
بے بسی، سایہِ دیوار سے آگے نہ بڑھی
جلوۂ ذات سے آگے تمہی فقط ذات ہی ذات
بندگیِ رقصِ سردار سے آگے نہ بڑھی
بے خودی دشتِ بیابان کو راہے و اصف
آگہیِ وادی پر خار سے آگے نہ بڑھی !

ترے قریب ہوتے جب سے آشکار ہوتے
ہزار بار کہاں صد ہزار بار ہوتے
تمہاری بزم میں تارے بھی پڑ سکوں تھے مگر
یہ اور بات کہ ہم دُور بے قرار ہوتے
بقافنا کی فنا ہی بفتا کی راہ بنی!
خزاں سے گزرے تو ہم بادِ نو بہار ہوتے
بلانہ ہم کو اگر سنگِ آستاں کا نشاں
برنگِ موج اُٹھے راہ کا غبُار ہوتے
ہوا تمہا حُسن ہی خود مائلِ کرم و اصْف
وہ اپنی ذات میں مخفی تھے آشکار ہوتے

عم غریبوں پہ عنایات، خدا خیر کرے

لب پہ آتے ہیں سوالات، خدا خیر کرے
حُسن بیرونِ حجابات، خدا خیر کرے

عشقِ پایندہ روایات، خدا خیر کرے
اسے کہتے ہیں کسی چیمیز کا پارکھونا

سیرِ بازارِ ملاقات، خدا خیر کرے!
رکتے رکتے بھی قدم اٹھنے گئے منزلِ کھینچ

بنتے بنتے ہی بنی بات، خدا خیر کرے
بے خبر ہوتا ہے منزل سے وہی جس نے کیا!

دعویٰ کشف و کرامات، خدا خیر کرے
دار پر ہوتی ہے مسند پہ نہیں ہو سکتی!

گفتگو ذات سے بالذات، خدا خیر کرے

یا دماغی ہے نہ اندیشہ فردا و اوصاف!
مٹ گئے سارے نشانات، خدا خیر کرے

دیے ہیں تو نے زمانے کو بھر کے جامِ دسبو
میں تشنہ لب ہوں مرے واسطے جگر کا لہو
بھٹک رہا تھا میں سُود و زیاں کے صحرا میں
ترے دیار میں لاتی مجھے تری خوشبو، !
جب اپنی آنکھ سے دیکھا تو سب مرے اغیار
تری نگاہ سے دیکھا تو میں ہی اپنا عدو
حصارِ وقت کو میں توڑ کر نکل نہ سکا !
ترے جمال کا پہرہ لگا رہا برسوں !
تری تلاش مجھے میرے سامنے لاتی،
میں آتینے میں جو اُترا تو زبرد تھا تو !
اس انقلاب کو کہتے ہیں ارتقائے حیات
کہ میں بھی نہیں نہیں اب تو بھی کب رہے تو !
کلی کی آنکھ کے کھلنے کی دیر تھی واصف
خدا کا شکر کیا ہے گلوں نے کر کے وضو !

دوستو۔ دوستی کا نام نہ لو !
ہو چکی، دل لگی کا نام نہ لو !
میسکدے کے اصول بھی دیکھو
میسکشو، تشنگی کا نام نہ لو !
سرسرازی ملی نشیمن کو
برق کی برسی کا نام نہ لو !
نت نئے گل کھلا ہی کرتے ہیں
ایک دل کی کلی کا نام نہ لو !
شہر کی جان ہو جہاں آباد
شہر کی اُس گلی کا نام نہ لو !
بے خبر زندگی کا کیا شکوہ !
مختصر زندگی کا نام نہ لو !
مار ڈالنے کی شاخری واصف !
بھول کر شاعری کا نام نہ لو

زبان ہم ہیں، ہمہ گوش و گفتگو ہم ہیں
ہم آئینہ ہیں نظر ہم ہیں رو برو ہم ہیں
ہزار پرووں میں پنہاں ہے گرجاں ترا
تو کیا بہار چمن ہم میں رنگ دبو ہم ہیں؟
لو اپنے سر کو ہتھیلی پہ رکھ لیا ہم نے
تمہاری تیغِ تغافل کی آبرو ہم ہیں
سکوتِ شب میں درِ میکدہ پہ کون آیا؟
خطا معاف ہو اے جانِ آرزو ہم ہیں!

ہمارے چاکِ گریباں کا ذکر کیا واصف
نہ پوچھ کس لیے بیگانہ رفو ہم ہیں!

شکوہ تو نہیں ہستی اگر وقفِ الم ہے !
 غمخوار نے منہ پھیر لیا مجھ سے، تم ہے
 خود دار ہوں، خود سر ہوں، میں خدمت میں لیکن
 تو سامنے آجاتے تو سر آج بھی خم ہے
 تقدیر بدل جاتے تو حاصل بھی ہے تقدیر،
 آغاز کی پیشانی پہ انجامِ رسم ہے !
 یادوں کی گذرگاہ میں ہاڑتے ہیں بگولے
 سجدوں کا نشان ہے نہ کوئی نقشِ قدم ہے
 اندازِ قلندر کا نہ بے باک ہو کیونکر !
 ہستی کا بھرم اس کی نگاہوں میں علم ہے
 بحدہ ہو، تو میخنے کے دروازے پہ دل ہے
 ساقی کی نظر ہو تو یہی بابِ حرم ہے
 سب سے بات تعلق کی، تعلق ہو تو واضح صاف !
 مائل بہ کرم ہوں یا ستم، ان کا کرم ہے !

سنبھل جاؤ عینِ دلِ خطر ہے، ہم نہ کہتے تھے!
جمالِ گل کے پردے میں شر ہے، ہم نہ کہتے تھے!
لبوں کی تشنگی کو ضبط کا اک جام کافی ہے
چھلکتا جام زہرِ کارگر ہے، ہم نہ کہتے تھے!
زمانہ ڈھونڈتا پھرتا ہے جس کو اک زلمے سے
مُحبت کی وہ اک پہلی نظر ہے، ہم نہ کہتے تھے!
قیامت آگئی لیکن وہ آتے ہیں نہ آئیں گے
شبِ فرقت کی کب کوئی سحر ہے، ہم نہ کہتے تھے!
غمِ جاناں غمِ آیام کے سانچے میں ڈھلتا ہے
کہ اک غم دوسرے کا چارہ گر ہے، ہم نہ کہتے تھے!

تڑپتی، کوندتی تھی برق لہراتی مچلتی تھی!

ہمارے چار تنکوں پر نظر ہے ہم نہ کہتے تھے!

غبارِ راہ میں کھوجائے گا یہ کارواں آخر

کہ رہن کارواں کا راہبر ہے ہم نہ کہتے تھے!

نشانِ منزل مقصود سے آگاہ تھے و اصف!

فریبِ آگہی سے کب مفر ہے ہم نہ کہتے تھے!

ہر قدمِ دل کُشی ہے کیا کہتے !
بس تمہاری کمی ہے کیا کہتے !
آنکھ سے لڑی ہے کیا کہتے ،
جان پر کیوں بنی ہے کیا کہتے !
بزمِ مستی تو ہم سما لیتے ،
شمعِ محفلِ نبھی ہے کیا کہتے !
آشیاں کس طرح بنایا تھا
برق کیے گرمی ہے کیا کہتے !
وہ بُلاتے تو ہیں مجھے لسیکن !
کس قدر بے بسی ہے کیا کہتے !
میرے ہی گھر کی چار دیواری !
راہ میں آکھڑی ہے کیا کہتے !
غمز وہ کائنات میں تنہا !
کون و اصف علی ہے کیا کہتے

کس قدر پابند ہے تحریر کی
ہائے مجبوری مری تفتد پر کی!
زندگی منے سے پہلے موت تھی!
موت ہی منزل ہے اس تعمیر کی
خود مصور دیدہ حیراں ہوا
آنکھ آئینہ بنی تصویر کی!
رُخ بدل جاتا ہے ہر طوفان کا،
بات کیا ہے۔ نالہ شب گیر کی!

کس زباں سے اب کہے واصف علی
آپ نے آنے میں کچھ تاخیر کی!

عجب اعجاز ہے تیری نظر کا
کہ ہم بھولے ہیں رستہ اپنے گھر کا
سحر آئی تو یاد آئے وہ تارے
پتہ جن سے ملا ہم کو سحر کا!
چلے ہو چھوڑ کر پہلے تدم پر؟
چلے تھے ساتھ دینے سحر بھر کا!
بھاریں آگتیں جب آپ آتے
دعاؤں نے بھی منہ دیکھا اثر کا!
حقیقت کیا فریب آگئی ہے؟
نظر بھی ایک دھوکا ہے نظر کا
عدم سے بھی پرے تھی اپنی منزل
سفر انجام تھا اپنے سفر کا !!!
مری آنکھیں بوتیں مناک واصف
خیال آیا کسی کی چشم تر کا!

اپنی ہستی کو موسمِ اَلْم سمجھے،
 ہاں مگر تیرے غم سے کم سمجھے
 ترکِ اُلْفَت پہ اُختِ یار نہ تھا
 ہم ترے ظلم کو کرم سمجھے!
 سرفرازی بشر کو ملتی ہے
 بشرطِ یہ ہے کہ کس قلم سمجھے
 آگہی خودِ نِزیرِ خورده ہے
 اس حقیقت کو لوگ کم سمجھے
 کیا تعلق تھا آپ سے اپنا
 آپ سمجھے اسے نہ ہم سمجھے
 زندگی کی ہر ایک اُلْبھن کو!
 ہم ترے گیوڑوں کا خم سمجھے
 اب خدا سمجھے آپ کو و اَصْف
 مجھ سے کیا کہہ سبے ہو "م سمجھے"

ذرا زلفِ برہم کے خم دیکھنا،
تلف بہ رنگِ ستم دیکھنا !
نہ جانا مجھے دے کے غم دیکھنا
تجھے پڑ نہ جاتے اُم دیکھنا
مجھے یاد ہے وہ قیامت ابھی،
ترا مڑ کے بہرہ برہم دیکھنا!
بدل جاتے گا تو بھی میری طرح
وہ کہتے ہیں مجھ سے ستم دیکھنا
شکایت نہ کر گردشِ وقت سے
یہ گردش بھی جاتے نہ تنہم دیکھنا
نہیں نطف کا منتظر ایک تو
ہے دنیا کو اُن کا کرم دیکھنا!
ترے ایک بجد سے واصف علی
یہی دیر ہو گا حرم، دیکھنا!

ستم ہوں گے مگر پیسہ نہ ہوں گے
کرم ہوں گے مگر جب ہم نہ ہوں گے
اگر تو نے ستم سے ہاتھ کھینچا ،
تو کیا ہم آشنائے غم نہ ہوں گے
کیسے تو بچھ نہ جائے شمعِ محفل
پتنگوں کے غمِ زاتم کم نہ ہوں گے
ہمارا دم ہے زینتِ انجمن کی
ہمارا یاد ہوگی ہم نہ ہوں گے

خدا کو ہو محبت جن سے واصف ،
وہ کیسے حسنِ برعالم نہ ہوں گے

شب چراغ

شب ہستی کٹی ہے مرمر کے
صبح آتی خرد اُخدا کر کے !

یہ محذات نگ مرمر کے
کیا مستابل ہیں دیدہ تر کے

چشم ساقی پہ امتداد کیا !
سو گئے سامنے سب دھڑ کے !

حشر ہنسنے کیا کہ ٹونے پیا،
کس نے چکے دیتے ہیں محشر کے

تیرگی چھٹ گتی مگر واصف

میہماں ہیں اُجالے دم بھر کے

کب اڑالے گئی ہو امت پوچھ
چار تنکوں کا ماجرا امت پوچھ
انتہا دیکھ، چشمِ عبرت سے
اس فسانے کی امت پوچھ
تو نے جو کچھ کہا، تجھے معلوم
میں نے دُنیا سے کیا سنا، امت پوچھ
وے ذرا اپنے حافطے پر زور!
مجھ سے میرا آتا پتہ امت پوچھ
اپنی تفتدیر کی لکیریں پڑھ!
کیا کریں گے وہ فیصلہ امت پوچھ
پوچھ مجھ سے روزِ مرگ و حیات
ہاں مگر حرفِ مدعا، امت پوچھ
بے گناہی بھی مجرم ہے واصل
اور اس مجرم کی سزا، امت پوچھ

شب چراغ

تے خیال نے بخش تھی جو خوشی نہ رہی
گلوں میں رنگ بہاروں میں دلکشی نہ رہی
مری نوشت میں تھی خاک بہر جہاں ورنہ
تمہارے فیضِ نظر میں تو کچھ کمی نہ رہی
تم اپنے عہدِ جوانی کو دور ہے ہو مگر!
ہم اپنے حال پہ روتے ہیں زندگی نہ رہی
اسی دُوق سے ہم میسکدے میں آتے تھے
تری نگاہ کو دیکھا تو تشنگی نہ رہی!
ہزار کہتے کہ یہ آگِ دل لگی میں لگی!
جب آگ لگ گئی دل میں تو دل لگی نہ رہی
طلب طلب ہے، مگر دور بد نصیب سا ہے
کہ خواجگی تو رہی، بسندہ پروری نہ رہی
بڑے یقین سے دیکھی تھی ہم نے صبحِ اُمید!
قریب پہنچے تو وا صاف وہ روشنی نہ رہی

جذبات۔ زیرِ گردشِ حالات سو گئے
 چھائی گھٹا تو رندِ سراپات سو گئے!
 منزل سے دور جاگتی سوچیں تمہیں ذہن میں
 منزل پہ آگئے تو خیمات سو گئے
 تاروں نے ہم کو دیکھ کے شبنم سے یہ کہا
 یہ بد نصیب وقتِ مناجات سو گئے
 کیا دلگداز موسم گل کا تھا انتظار
 فصلِ بہار آئی تو نعمات سو گئے
 آنکھوں میں ہم نے کاٹ دی شامِ غمِ سراق
 آیا کوئی جو بہرِ طامات سو گئے!
 اک خواب کے سوا ہے یہ ہستی تمام خواب
 آئی ہے جن کے ذہن میں یہ بات سو گئے
 آیا جو وقتِ معرکہ حق و کفر کا!
 کیوں صاحبانِ کشف و کرامات سو گئے

خالی پڑے میں جام، کوئی بات کیجئے
زندگیاں تشنہ کام، کوئی بات کیجئے
تقریرِ میسکہ کا تقاضا ہے میکشور
اب خامشی حرام، کوئی بات کیجئے
مخشر کی صبح کا ہی ذرا تذکرہ سہی
گزرے گی کیسے شام، کوئی بات کیجئے!
گزری ہے اُن پہ کیا جو عین سے بچھڑ گئے
امواجِ خوش خرام، کوئی بات کیجئے!
کیوں ہمسفر ہوئی میں مے ساتھ منزلیں
اجبابِ ذی مقام، کوئی بات کیجئے
کچھ دیر مجھ غریب کی مخیل میں بیٹھ کر
یارانِ خوش کلام، کوئی بات کیجئے!
واصفِ نیکل ہی آئے گی باتوں سے کوئی بات
ان سے براتے نام، کوئی بات کیجئے!

چمکنے جسم کے صحرا کا ایک سراب ہوں میں
 کہ اپنے خون کے دریا کا ایک جاب ہوں میں !
 میں ایک فرد ہوں مجھ سے بے ملتوں کا ظہور ،
 حقیقتوں کو جنم دینے والا خواب ہوں میں !
 ورق ورق مری نظروں میں کائنات کا ہے
 کہ دستِ غیب سے لکھی ہوئی کتاب ہوں میں !
 کسی نظر میں علامت ہوں خود پسندی کی !
 کسی نگاہ میں ایک ذرہ تڑاب ہوں میں !
 درِ عطا پہ ہوں میں آخری سوال ، مگر ،
 اسی سوال کا ایک آخری جواب ہوں میں !
 طلوعِ صبح کے چہرے پہ روشنی کیسی !
 سیاہ شب میں درخشندہ آفتاب ہوں میں !
 بے جستجو بھی مجھے اُس کی ایک زمانے سے
 اور ایک زمانے سے واصف کا ہمرکاب ہوں میں

نشاط رنگ بوسے بے نیاز آرزو ہو کر
ہم اپنے روبرو آتے تمہارے روبرو ہو کر
ہمارے آنسوؤں میں ہو گیا خونِ جگر شامل
تری مٹھل سے ہم آتے مگر کیا سرخرو ہو کر
محبت سے، زمانہ میکدہ، ہر آدمی میکش
تلاشِ یار میں پھرتے ہیں سب جامِ دبو ہو کر
تعجب ہے بہاروں نے خزاں دوستی کر لی
چمن کی آبرو ہی لٹ گئی ہے رنگِ بُو ہو کر

اسی دیوانگی سے ہے نظامِ عاشقیِ واصف
جنوں کی نحوی ہی ہے چاک ہو جائے رفو ہو کر

میں آرزو تھے دید کے کس مرحلے میں ہوں
 خود آیت سنا ہوں یا میں کسی آیتے میں ہوں
 رہنے کے کیا فریب دیتے ہیں مجھے نہ پوچھو
 منزل پہ ہوں نہ اب میں کسی راستے میں ہوں
 اس دم نہیں ہے فرق، صبا و سموم میں
 احساس کے لطیف سے اک دانے میں ہوں
 تیرے قریب رہ کے بھی تھا تجھ سے بے خبر
 تجھ نے پھڑکے بھی میں تھے رابطے میں ہوں
 ہر شخص پوچھتا ہے مرانا کس لیے،
 تیری گلی میں آ کے غیبِ مخمضے میں ہوں
 میں کس طرح بیان کروں حرفِ تدعا
 جس مرحلے میں کل تھا اسی مرحلے میں ہوں
 واقف مجھے ازل سے ملی منزلِ ابد
 ہر دور پر محیط ہوں جس زاویے میں ہوں

میرے سر پر جو ٹوٹا تھا
میری قسمت کا تارا تھا
کتنی صدیاں سمٹ رہی تھیں
اک لمحہ جب پھیل رہا تھا
آج میں صحرا میں ہوں پیاسا
کل میں دریا میں ڈوبا تھا
وقت گزر جاتا ہے لیکن!
وقت بہت مشکل گزرا تھا
صرف بھی سے فور ہے اب وہ
صرف جو میسرا کہلاتا تھا
وہ اُترا تھا میرے دل میں
میں اس کے دل سے اُترا تھا
کوئی پاس نہیں تھا واصف
تنہائی نے زہر دیا تھا!

اپنی محفل میں مجھے بلوا کے دیکھ
یا مری تہسائتوں میں آ کے دیکھ
میں تری تار تار بھوں مجھ کو نہ چھوڑ
بھولنے والے مجھے دہرا کے دیکھ
کس طرح ذروں کو مٹی ہے ضیا۔
تابشِ خورشید سے ٹکرا کے دیکھ
اپنی تخیلی آئینہ جہنم میں سُن
سنگِ وحشت اس کے گم رہا کے دیکھ
تجھ کو بھی کچھ آگہی مل جائے گی
تو مری دیوانگی اپنا کے دیکھ!
صورتوں میں سے کوئی صورت نکال
ایک خدا کے میں ہزاروں خدا کے دیکھ
اس جہنم میں کیا ہوا اوصافِ علی
بند کلیوں کی زباں کھلوا کے دیکھ

کون کسی کا اس دُنیا میں کس نے پیت بھائی
اپنی ذات میں گم ہیں سارے کیا پریت کیا راتی
کالا سُوزِج دیکھ کے کالی ذات نے لی انگریزی
اپنی راہ میں حائل ہو گئی، آنکھوں کی بینائی!
پتے ٹوٹ گئے ڈالی سے یہ کیسی اُرت آئی۔
مالا کے منکے بھرے ہیں، دے گئے یارِ جدائی
اک چہرے میں لاکھوں چہرے ہر چہرہ بربائی!
جھوٹا میلہ، انت اکیلا، جھوٹی پریت لگائی!
اک ذرے میں صدیوں کی سُعت آن سمائی
اک قطرے میں ڈوب کے رہ گئی ساگر کی گہرائی
نجد بن ساہن میری ہستی میرے کام نہ آئی
بات بنانے سے کیا بنتی، تُو نے بات بنائی
سانس کی آری کاٹ ہی بھیدیوں کی پہنائی
ہستی کے بہرپ میں اَصْفِ مَت سُدیر لائی

میں خود تلامذہم قلمزم ہوں خود ہی دشت کی پیاس
 وہ میرے دل میں ہے جس نے مجھے کیا ہے اُداس
 مرے شعور کے پنجنے نے نوچ ڈالا اُسے !
 ازل سے لایا تھا میں جو برہنگی کا لبہ اس !
 تلاشِ دہر کو ہے جس ہُما کی مدت سے
 تڑپ رہا ہے وہ میری شبِ فراق کے پاس
 سوال یہ تو نہیں ہو گی گفتگو کیسے ؟
 سوال یہ ہے کہ قائم رہیں گے ہوش و حواس ؟
 غمِ زمانہ کے دریا کی رستخیز، نہ پوچھ
 گلوں کے ساتھ ہالے گیا چین کی اساس
 وہ کون تھا جو مرے ساتھ ہمکلام رہا ؟
 جب آس پاس نہ تھا کوئی میرا درد شناس !
 وہ مطمئن کہ زیاں جو ہوا ہوا واصف !
 مجھے یہ سن کر کہ ہو کیسے وا، ویرا احساس

چھپوں کہاں کہ میں ہوں رازِ جوہرِ مستی
کھلوں کہاں کہ میں ہوں زلفِ شانہ، مستی
قدمِ قدم پہ ہوا اک جہانِ نوآباد!
اُجاڑ کے ہی ربا دلِ خسرو کی ہرستی
ہمارے چاک ترے پیرِ بن کی زینت ہیں
غزورِ حُسن، کہ رکھتا ہے ماورا، مستی
سُناتی دے نہ تجھے گر صدائے بانگِ جرس
ہر تصور نہیں ہے تری ہی بدِ مستی

جنوں بنا ہے خرد کا امام پھر و اصف
کہ گنجِ باتے گراں مایہ شے نہیں سستی!

عیاں تھا جس کی نگاہوں پہ عالم اسرار
اسے خبر نہ ہوتی کیا ہوا پس دیوار !
کھنڈر کھنڈر جو دینے تلاش کرتا ہو
وہ کس طرح سے بنے اپنے وقت کا فنکار
میں کتنی صدیوں سے اس انتظار میں گم ہوں
الہی اب تو میجا کو آسماں سے اتار
وہاں ہوتی ہے سخنِ خدا کی پہنائی !
یہاں دھری ہے ابھی تک مزار پر دستار
یہ کیا غضب کہ مجھے دعوتِ سفر دے کر
کہ لگتی دھوپ میں آنکھیں چراگئے اشجار
اگر تفاوتِ منکر و عمل رہا بت تم !
بدل کے گا کوئی کیسے وقت کی رفتار
وہ جس نے توڑ دیا جامِ آرزو و اصف
اسی کے نام سے منسوب ہیں مرے اشعار

وہ نہیں ملتا جسے مانگا گیا!
ہاتھ آیا وہ جسے پھینا گیا!
بات ہی رہ جائے گی تاریخ میں
ورنہ اس دُنیا میں جو آیا، گیا
وقت نے گردن بھکالی شرم سے
وقت سے کیا فیصلہ مانگا گیا
کوئی صورت بھی نظر آتی نہیں
کس لیے ہر آئینہ کجلا گیا
دے گیا سورج مرا مجھ کو جمود!
میرا سایا دور تک چلتا گیا
کیا مری بیسناتی مجھ سے ہن گئی
یا مرا ماحول ہی پتھر اگیں
اس کی بھی وا صف خبر کچھ لیجئے
کوچہ قاتل میں جو تنہا گیا!

نماش کرتا رہا دشت میں جسے آجو
وہ منزلوں کی مہک تھی کہ ذات کی خوشبو
وہ ایک شخص جو سایا اُتارنے آیا،
بھی پہ کر کے گیا وہ بہت بڑا جادو
اگر ہو سامنے انسان کوئی کلیم صفت
سکوت سے بھی نکل آتے بات کا پہلو
عجب کرامتِ ایشارے شگفتن گل
بہار دے گئے گھن گورات کے آنسو
ترا خیال ہے دنیا کی ایک موجِ طرب !
مرا خیال ہے قلم کا سیلِ بے قابو
یہ انتظار ہے مجھ کو کہ جو کے عالم میں
لگا ہی دے کوئی اک نعرہ ، وقت کا باہو
میں لکھ رہا ہوں حکایاتِ خوشچال و اصفت
ٹپک رہا ہے مری انگلیوں سے دل کا لہو !

وہ جو کردار کا مثالی ہے
اُس نے صورت مری چرائی ہے
تُو نے ہر ایک دل کی ساز خمی !
میں نے ہر ایک کے دُعالی ہے
تیرا حُسن سلوک بھی دیکھا
اپنی جرات بھی آزمالی ہے
کون مالک ہے اس امانت کا :
تُو نے سینے سے جو لگالی ہے
کو ریشموں کی ہے پذیرائی !
اہل بنیش کی پائمالی ہے
یہ الگ بات لٹ گئی عزت !
قیمتی جان تو بچسالی ہے
شکوہ تقدیر کا عبث و اصف
خود نشمین میں برق پالی ہے

قیامت کس طرح آئی، اسے کوئی نہیں سمجھا
شب تاریک رخصت ہو چکی، سورج نہیں نکلا
بڑی محرومیاں لکھی گئیں اس کے مقدر میں
وہ راہی جو درختوں سے چڑا کر لے گیا سایا
ترے انکار سے ہستی میں خوتے انقلاب آئی
ترے انکار سے گویا جمود آرزو ٹوٹا !
پیام مرگ آئے گا نوید زندگی بن کر !
مرے قد کے برابر آگیا جس دن مرا بیٹا
چلو اظہارِ غم پر تو ترے ماتھے پہ بل آئے
مگر ضبطِ فقاہ پر کیوں تری آنکھوں میں خوں ترا
تمہاری یاد میں قلمیں لگاتی ہیں گلابوں کی
تمہارے نام سے گھر میں لگایا سرو کا بوٹا
کبھی افلاک پر دیکھی گئی ذروں کی تابانی
کبھی تاروں کو و اصف خاک میں طے ہوتے دیکھا

شب چراغ

وہ پاس تھا تو مجھے منہ نہیں دکھاتا تھا
بُدا ہوا تو وہ خود راکتے سے بھٹکا تھا
میں چل رہا ہوں مگر فاصلے نہیں مٹتے
یہ حادثہ بھی مری زندگی میں ہونا تھا
وہ بھیڑتی کہ نظر سے نظر نہ ملتی تھی!
ہجوم شہر میں ہر آدمی اکیلا تھا!
ترس رہا ہے اب اک بوند کی عنایت کو
وہ آدمی جو کسندر کی تہ میں رہتا تھا
غلط کہ اس کے یہاں آگ بھی نہ جلتی تھی
غلط کہ سارا دھواں میرے گھر سے نکلا تھا
چلو کہ گر ہی گئی اپنے بوجھ سے دیوار
چلو کہ صرف اسی بات کا تو بھگڑا تھا
وہ ایک لمحہ جو صدیاں نگل گیا و اصف
وہ لمحہ وقت نے خود آستیں میں پالا تھا

بول حرفِ مدعا، تقریرِ طولانی نہ کر
 قیمتی الفاظ کی اتنی بھی ارزانی نہ کر!
 معمول جا اب کجکلاہی کے گئے ایام کو
 دقت کے عبرت کدے میں اپنی ہن بانی نہ کر
 اپنے ماگ سے تعلق کی نئی راہیں بھی ڈھونڈ
 صرغِ بجدوں ہی کے روشن اپنی پیشانی نہ کر
 میں دھواں ہوں دقت کے روشن الاؤ کی دیں
 بھگر کر اس آگ کا میری نگہبانی نہ کر
 وہ جو طوفان کے تھپڑے کھا رہا ہے اس کو پوچھ
 تو جو ساحل پر کھڑا ہے ذکرِ طغیانی نہ کر
 اپنے زنجیں خوں کی دنیا سے باہر بھی نکل
 آئینے کے عکس کی اتنی ثنا خوانی نہ کر!
 عہدِ فردا کے قصیدے کا بھی ہو کچھ اہتمام!
 عہدِ رفتہ ہی کی واعظِ مرثیہ خوانی نہ کر

رونقِ بزمِ طرب، یاد نہ کر
زیت کے غم کا سبب یاد نہ کر
دیکھ اندازِ عطا بھی اس کا
اپنا اندازِ طلب، یاد نہ کر!
ہم کلامی کی ضرورت بھی سمجھ
صرف دستورِ ادب یاد نہ کر
کس طرح آئی سحرِ غور سے دیکھ
کس طرح گزری ہے شبِ یاد نہ کر
اس کا پیغام رہے پیشِ نظر
حُسن کی مجنبتِ لبِ یاد نہ کر
کیا ہوا اس کی ملاقات کے بعد
وہ ملا تھا تجھے کب، یاد نہ کر
دیکھ کردار کی جانبِ واصف
رتبہ و جاہ و نسب، یاد نہ کر

کرن کرن

(معترا نظمیں)

شب چراغ

۱۹۷

فریبِ نظر ہے کون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرہ کائنات
«اقبال»

شب چراغ

شاہد و مشہود

نورِ مجسم
خلق سے پہلے
ایک اکائی، واحد، یکتا
اپنی ذات میں تنہا مٹھی، گنجینہ تھا
نور کا ہالا
اپنے آئینے کا باطن
ظاہر ہو کر پھیل گیا ہے
سورج، چاند، ستارے، شبنم

موتی، آنسو، روپ انوکھے
حُسنِ مجتہم، خالقِ اعظم کے منظر میں
اس کے پرتو،

جس نے اپنا آپ دکھانے کی خاطر انسان بنایا،
وہ انسان بھی ایک اکائی، اک نقطہ تھا، پھیلنے والا
پھیل گیا ہے

نقطہ لیکن نقطہ ہی ہے،

جیسے اک قطرے میں قلم
قطرے اور قلم کی وحدت
ودیا، بھیلیں، بادل کالے

آنسو آنکھ سے بنے والے

شبہنم کے پاکیزہ گوہر

ہر قطرہ قلم کا منظر

قلم کی گہرائی قلم

قلم کی پہنائی قلم

قلم کی انگریزی قلم

طوفاں، قُلُوم، موجیں، قُلُوم
انسانوں کی کثرت — قُلُوم
وحدت — آدم
انسانوں کی بھڑکے اندر ہر انسان اکیلا ہی ہے
سوچ رہا ہے،
میں اک نقطہ، میں اک قطرہ
میں اک قُلُوم
پھیل گیا ہوں، بکھر گیا ہوں

اول و آخر

دانیہ گندم، گناہِ اوقیں
دانیہ گندم، بنائے انقلاب
دانیہ گندم، تجسس، جستجو،
دانیہ گندم، فسادِ زندگی
دانیہ گندم، فنونِ اہرمن
دانیہ گندم، ہمالِ آتیاں
دانیہ گندم، تبتزلِ ارتقاء
دانیہ گندم، بہارِ بے خزاں
دانیہ گندم، ربوبیتِ کاراز
دانیہ گندم، سفر سوتے زمیں
دانیہ گندم، سزاوارِ عذاب
دانیہ گندم، جہانِ رنگ و بو
دانیہ گندم، جہادِ زندگی !
دانیہ گندم، شعورِ تن بدن
دانیہ گندم، قرارِ قلب و جاں
دانیہ گندم، فاسوتے بقاء
دانیہ گندم، حیاتِ جاوداں
دانیہ گندم، طلسمِ سوز و ساز

آدم و حوا کی بنیادِ سرشت !

سے یہی دوزخ، یہی دانیہ بہشت

بیمکت

یہ ایک لمحہ۔۔۔ جہانِ نو کا پیا مبر ہے
کتابِ فطرت کا اک ورق ہے
یہ ایک لمحہ جو زندگی ہے
اسی سے دنیا میں روشنی ہے
یہی ازل ہے
یہی ابد ہے

یہ ایک لمحہ۔۔۔ ہمارے منکر و عمل کی حد ہے !!

تلاش

میں نوحہ گر ہوں
ضمیرِ آدم کا نوحہ گر ہوں
سزا ملی ہے ضمیرِ آدم کو خودکشی کی
ضمیرِ آدم !!
تجھے میں کیسے حیات بخشوں
ترا میجا۔۔ کہاں سے لاؤں

فیصلہ

آدھا رستہ طے کر آیا،
اب کیا سوچ رہا ہے آخر!
انجانی منڈل کی جانب
چلتا جاتے

یا واپس ہو جاتے راہی!
سوچ کے بھی انداز عجب ہیں
سوچ کے ہی آغاز کیا تھا
سُورستوں میں ایک پُختا تھا
اور اب سوچ ہی روک رہی ہے؟
آگے بھی کچھ تاریکی ہے
لوٹ کے جانا بھی مشکل ہے
سوچ کا سورج ڈوب رہا ہے
ایسے راہی کی منڈل ہے — آدھا رستہ

ویک

خیال کی جدتوں میں شب بھر
سلگتا رہتا ہے جسم میرا !!
میں خود گریزی میں مبتلا ہوں
تقصاد علم و عمل سے بچنا۔
مجھے نظر آ رہا ہے مشکل — !

میں فکر کی دا دیوں میں شب بھر
تلاش کرتا ہوں اس عمل کو
جو سرخوشی دے

مجھے مرے منکر سے بچاتے
کہ فکر ہی زندگی کا گھن ہے۔

مجھے مرا فکر کھا رہا ہے
مگر میں کیسے نجات پاؤں !
کہ اب مرا فکر ہی عمل ہے۔
میں عمر بھر سوچتا رہوں گا
کبھی نہ آزاد ہو سکوں گا
کہ فکر ہی زندگی ہے شاید !
علاج اس کا — کوئی نہیں ہے
جو یہ نہیں ہے
تو میں نہیں ہوں !

صلابت

آفاقی تنویریں لے کر
سوچ کی راہیں جب چلتی ہیں۔
اندیشے دیوار بنا دیتے ہیں وہ میں
فکر کا راہی۔ رک جاتا ہے
ہر دیوار کی پیشانی پر،
اک تحریر ابھر آتی ہے
رستہ بند ہے !!
فکر کا راہی۔ کب رکتا ہے
عزم کا پیکر۔ فکر کا راہی، ہر دیوار سے ٹکراتا ہے۔

شب چراغ

ہر دیوار ہے ایک روایت
آفاقی تنویر کی دشمن
انسانی تقدیر کی دشمن
عزم کا راہی، اپنے ہی بوسیدہ اندیشوں کا دشمن
ہر دیوار سے مکرانا ہے
آخر اک دن یہ دیواریں
عزم کے آگے بھک جاتی ہیں

تکمیل

امن کیا ہے؟

ایک وقفہ — مختصر

ایک جنگ اور دوسری کے درمیان

ایک لمحہ ہے بہار

اک خنماں اور دوسری کے درمیان

مختصر لمحہ — بہارِ جاوداں کیسے بنے

موت کیا ہے؟

ایک لمحہ — مختصر

زندگی اور زندگی کے درمیان

بے اسی لمحے میں پوشیدہ

مرا درِ ازل — یومِ ابد

پھر —! حیاتِ جاوداں

تضاد

تجھے بھی حق ہے، مجھے بھی حق ہے

کہ اس جہان چہار روزہ میں
اپنے اپنے خیال کی روشنی میں
ہستی بسر کریں ہم۔

نہ کوئی دیوار تیری راہ میں
نہ میرے رستے میں کچھ رکاوٹ
یہی تقاضا ہے زندگی کا
ہم اپنے اپنے مدار میں ہوں
کہ سارے اپنے حصار میں ہوں
مگر یہ صورت ؟

کہ تیرے میرے خیال میں تضاد اتنا

تجھے نظر آئیں دن کو تارے
میں رات کو آفتاب دیکھوں۔

شہزنگ

- دل ہے ————— پتھر
آنکھیں ————— پتھر
صورت ————— پتھر
حیرت ————— پتھر
ہستی ————— پتھر
موت بھی ————— پتھر
بن بادل برسے ہیں ————— پتھر
ایسی آگ کہ ایندھن ————— پتھر
اٹتے ————— پتھر
بہتے ————— پتھر
پتھر کی نگری میں ————— پتھر
پتھر سے پتھر ————— ٹکراتے
کس پتھر نے اشک بہاتے؟

پرانے کاغذ

چھپے ہوئے آتشیں جزیرے
اگر ہوا میں زبان کھولیں
تو آگ لگ جائے پانیوں میں

_____ امانتیں ہیں

_____ حقیقتیں ہیں

مجنتوں کی صباحتیں ہیں
رفاتوں کی صداقتیں ہیں

بدستِ الفاظِ نرم و نازک
یہ گرد آلود آئینے ہیں

ان آئینوں میں سمٹ رہے ہیں
پُرا نے چہرے، پُرا نی آنکھیں
ورق پُرا نے۔ دریدہ تن میں
یہی تو خلوت کی انجمن ہیں
نشاطِ عزم کے کئی فنا نے
سُنا رہے ہیں ورق پُرا نے

نقوشِ رنگیں مٹے مٹے سے
چراغِ گویا بکھے بکھے سے
پُرا نے کاغذ، پُرا نے کاغذ
شکستگی کا مزار کہتے
کہ جن پہ کتبہ نہیں ہے کوئی !!

رشتہ

جھلمل جھلمل

دورانق پر

ایک ستارہ !

اپنے دل کی بات سناتے

میرے دل کی سمجھ نہ پاتے

مستقبل کا روشن تارہ

مجھ کو ماضی یاد دلاتے

میرا ماضی ؟

ایک کہانی — ایک پہیلی

نذر روپ — نہرے ساتے

جگمگ جگمگ کرنے والے

کتنے تارے،
اُبھرے، چمکے، ڈوب گئے

ایک ستارہ، سب تاروں کو بنگل گیا تھا
جانے والے کب لوٹے ہیں؟
اک اک کر کے ڈوبنے والے
سب تاروں کو — ایک ستارہ — کھا جاتا ہے!
مستقبل کا روشن تارہ،
چھین کے بیٹے لہے سارے
خود ہی دل میں آبتا ہے۔
بیٹے لہوں کے سب تارے
آنکھ سے آخر، بہہ جاتے ہیں۔
اور پھر، دل میں آنے والا
راہی اپنے مستقبل کا
ایک ستارہ۔

پتھر بن کر — دل کے اندر سوجاتا ہے !!

برقاس

پیڑ چپ چاپ، مکاں گنگ، فضائیں خاموش
کوئی آواز نہ آہٹ کوئی
اتنی پُر ہول خموشی کہ بیاں سے باہر
نیند بھی ڈرتی ہے سناٹوں سے،
پھر یکایک
میرے کانوں میں صدائیں کتنی
ایک ہنگامہ بپا کرنے کو آجاتی ہیں
گو بچنے لگتا ہو ماضی جیسے
چھینتا ہے مرے کانوں میں بیاں کی طرح،

پھر یکایک کسی نغمے کی صدا آتی ہے
یہ ہر فردا ہے آواز مجھے دیتا ہے
جانے پھر کون قدم میرے پکڑ لیتا ہے؟
پھر وہی ساکت و جامد ماحول
وہی خاموش فضا،
پیر چپ چاپ، مکاں گنگ، فضا میں خاموشی

فرمائش

آخر اک دن۔
اُس نے مجھ سے کہہ ہی ڈالا
مجھ پر بھی اک نظم کہو تم
ایسی نظم
کہ جس میں میرا نام نہ آئے
میں خود آؤں !

تین من

(دوہے)

شب چراغ

۲۲۱

نہ زباں کوئی غنزل کی، نہ زباں سے بانجبر میں
کوئی دلکش صدا ہو، عجمی ہو یا کہ تازی
(اقبال)

شب چراغ

شب چراغ

ندی کسارے میں کھڑی جانے اُس پار
رام بھروسے چل پڑوں تن نیا من کھین ہار!

تارا ٹوٹا دیکھ کے دل نے کی پکار، !
کوئی مجھے بھی دیکھتا، میں ٹوٹا سو بار

پریم نام کو جا پلے جانے کل کیسا ہو،
مایا دیش کی پرٹلی پریم سے امرت ہو!

بہت پیارا مت کرو انت سیرا دور،
جنگل جا کے باسے کھائے خشک کھجور!

جس بن ترٹپے ماپھسری، مجھ، بن کپے دل ،
نین کو اڑ زاکش کھڑے، آسا جن اب مل !

من مندر کی مورتی من کو، ہی ترٹ پاتے ،
دیش بدیش بنائے کے اب کاہے کو جلے

نین سے نین ملاپے کے، اب کاہے بے چین
سا جن من میں آہے، اب کاہے کو بن !

میں ناچوں جگ ناچتائیں رڈوں جگ روئے
ایک نہ مانے بانیا پیسے گن کے سوئے

مورکھ آنکھیں پھاڑ کے دیکھے میسری اور
بھید نہ جانے سادھ کا، چور نے دیکھا چور

لے دے کر کے بانیا عمر اکارت کھوتے
خالی دیکھ کے روکڑی بات لے اور روتے

ٹھا کر دوارے جاتے کے چاپو اپنی جاست !
ہم جانیں تم یںج ہو، ٹھا کر سے کیا بات،

جگت گرو کا بالکا کھڑا ڈہاتی دے ، !
نیند کے ماتو سنیو گجر ستنائی دے !

باہل گھر کی راگنی ہوتی بدیشس سوار، !
شہنائی کی گونج میں سکھیاں کریں پکار

یہیں ندیا کھسار کی چلتی چلتی جتاؤں ،
ساگر میری جان ہے - ساگر سے مل جاؤں

میں رادھے کا شیم ہوں میں بنی کا راگ
میں جانوں، پر ماتما، تو شیطان تو بھاگ!

توری چتون دیکھ کے آتش بھئی زارش!
دھرتی تو دھرتی بھنودم سادھے آکاش!

ہری ہری میں ہر گئی میں ہاری ہر بار،
بار ہی موری جیت ہے موہ سنگ کھیلے یار

نہیں پیاسے نین کے دھوا کا سہ ہوتے
نین پلاتے، نین پئے، انت کو نین ہی روئے

منوا سپنے یاد نہ کر جس بھراوت نین!
بھور کبھو کی ہو گئی چھوڑ رین کے نین!

پر بت کانپے خون سے تُو بھاگے مُنہ زور،
سا جن تیرے میت ہیں، ادسا جن کے چور؟

مورکھ، دل نہ نرن دیتے دل میں دلبر ہوتے
دلبر روٹھا کب لے، ندی کنارے سوتے

غافل ڈوری سانس کی پل پل کٹتی جاتے !
جھوٹی کال کی بانسری کال کبھو نہ آتے !

مورکھ گُٹیا ہوش کی گھاس پھوس کا ڈھیر،
دیک آگ لگاتے بن میں دیپ جلے کی دیر!

مایا گن گن رین ہوئی، آتی چور کی بار، !
سویا مورکھ لٹ گیا، مانگے دوجی بار!

آشادوں کے دیش میں کھڑی زارشا روئے
میں آشا کا آنت ہوں آتش نہ کریتو کوئے!

جو سکھیاں رنگ رازمی کریں سوچ بچار
ایک ہی بوند میں رنگ نے اڑنا ہے سو بار

مانی پر مانی چلے، چلے ہزاروں رنگ،
آنت کو مانی جا لے: مانی ہی کے سنگ!

مورکھ نبھاگے جاتے ہے جیسے لاگے آگ۔
آگے آگے لوبھ ہے پاچھے خوف کا ناگ!

واصف کے کبیرے سنو ہمارے یار!
ہم تم جیسے جگت میں آئیں نہ دوجی بار!

کلام نو

(نعت، نظم، غزل)

شب چراغ

۲۲۹

کھڑتا نہیں، کاریں کاروان وجود
کہ ہر لحظہ تازہ ہے شان وجود
(اقبال)

شب چراغ

نعت

”دسے صورت راہ بے صورت دے“

من رآنی کا مدعا چہرہ
سر مگیں چشم آبیہ ما زاغ
عالم خواب میں حقیقت ہے
مصطفیٰ آنکھ ہو خدا صورت
یہی چہرہ نشانِ وجہ اللہ
یہ ہے تفسیر حسن تقویم
مرنے والوں کی آخری خواہش

صورتِ حق کا آئینہ چہرہ
زلف و لیل والضحیٰ چہرہ
آپ کا چہرہ، آپ کا چہرہ
بوحسنا آنکھ مصطفیٰ چہرہ
ورنہ رکھتا ہے کیا خدا چہرہ
ابتدا چہرہ، انتہا چہرہ
مرے آقا مجھے دکھا چہرہ

رنگیز اہر حیات میں واصفت
بارغ فردوس کی ہوا چہرہ

باعثِ حرفِ دُعا یاد نہیں
نیں کسے بھول گیا یاد نہیں
کس نے کی کس سے جفا، یاد نہیں
کون تھا جان و فدا، یاد نہیں
کس نے طوفان کے تھپڑے کھائے
کون، ساحل پر رہا، یاد نہیں
جرمِ اظہارِ محبت توبہ
کچھ بھی توبہ کے سوا یاد نہیں
کب مری ہمسفیری میں آیا
کب ہوا تھا وہ جسدِ یاد نہیں
کارواں راہ سے کیسے بھٹکا؟
کون تھا راہِ بنما، یاد نہیں
کب جلا اپنا نشینِ واصف
کب ہوئی آہِ رسا، یاد نہیں

دُور سے اُڑ کے برے دیس میں آئی مٹی
کھا رہا ہوں میں بصدِ عجزِ راپنی مٹی
کہیں کا لیے مصروفِ گدائی مٹی
کہیں انسانوں پہ کرتی ہے خدائی مٹی
دامنِ کوہ میں قدرت نے بچھائی مٹی
ایک فنکار نے رنگوں سے سجائی مٹی
میں ہوں مٹی میں کبھی مجھ میں سمائی مٹی
مجھ کو جنت سے یہاں کھینچ کے لائی مٹی
پھر سمجھ آئے گی کیوں اس نے بنائی مٹی
تجھ پہ جب ڈالیں گے روتے ہوئے بھائی مٹی
درِ محبوب سے تھوڑی سی اٹھائی مٹی
پھر بڑے فخر سے ماتے پہ سجائی مٹی
جس نے محبوبِ وطن کی ہے اڑائی مٹی
واصفِ اس شخص کی ہو ساری کمانی مٹی

چاندنی رات میں کھلے چہرے
صبح ہوتے ہی چھپ گئے چہرے
عین نگاہوں کو کس طرح بدلوں
آپ نے تو بدل لیے چہرے
غور سے دیکھ آبیگیتوں کو
کھل کہاں ہوں گے آج کے چہرے
کھا رہے ہیں درخت کا سلیہ
ٹہنیوں سے لگے ہوئے چہرے
اس کا چہرہ کب اس کا اپنا تھا
جس کے چہرے پر فرٹے چہرے
زندگی میں کبھی نہیں ملتے
کانغذوں پر سجے ہوئے چہرے
آگے کھل کے سامنے واصلت
آستیں میں چھپے ہوئے چہرے

میرے جہاں کا نصاب چہرے
نیں پڑھ رہا ہوں کتاب چہرے
یہی جہاں ہے، یہی سزا ہے
ثواب چہرے، عذاب چہرے
کسی جہاں کی حقیقتیں ہیں
کسی زمانے کے خواب چہرے
یہ زندگی ایک موج دریا
رواں رواں ہیں جناب چہرے
میری زمیں کے کسی فلک پر
مہک رہے ہیں گلاب چہرے
کہیں مجھ سے سوال نہیں
کہیں سراپا جواب چہرے
بپا کریں گے جو حشر و اصفت
ابھی نہیں زیر نقاب چہرے

دور تک بے مائیگی کا سلسلہ محسوس کر
 اپنے جامے سے نکلنے کی بنا محسوس کر
 سامنے آتا ہے جو منظر اسے دھوکا سمجھ
 بند ہے گنبد کے اندر جو صدا محسوس کر
 خواب کی اونچی اڑانیں خواب تک محدود رکھ
 تنگ ہوتا جا رہا ہے دائرہ محسوس کر
 سوپ دے تاریخ کو گزرا ہوا ہر حادثہ
 ہے تجھے درپیش اب جو مرحلہ محسوس کر
 پھونک کر اپنا قدم رکھ عبرتوں کے شہر میں
 عرصہ محشر میں تازہ کر بلا محسوس کر
 بند کمرے کے درپیکے خود بخود کھل جائیں گے
 آنے والے شخص کی آواز یا محسوس کر
 نیند میں ڈوبی ہوئی صدیوں کا اوصاف ذکر کیا
 جاگتے لمحوں کی آوازِ دیر محسوس کر

شب چراغ

روشنی، کائنات کی خوشبو
چار سو حُسنِ ذات کی خوشبو
فاصلے وقت کے سمٹتے ہیں
جب مہکتی ہے رات کی خوشبو
دل کی گہرائیوں سے جب نکلے
پھیلتی جائے بات کی خوشبو
آدمی کو عدم سے لاتی ہے
عالمِ شش جہات کی خوشبو
تا قیامت رہے گی شرمندہ
کربلا میں فرات کی خوشبو
اک تعفنِ عنسور کی ذیبا
عاجسزی میں نجات کی خوشبو
اپنے اپنے مزار میں واصف
اپنی اپنی صفات کی خوشبو

تاروں پہ ڈالنے کے لیے جو کند تھی

دیوار اپنی راہ میں اس سے بلند تھی
وہ شے جو اس نے اپنے لیے منتخب نہ کی

وہ چیز اس کو میرے لیے کیوں پسند تھی
لقمہ تھا اپنے ہاتھ میں قسمت کے زھر کا

کام و دہن میں لذت و خوشبوئے قند تھی
اس کی گلی میں سب کو ملی دادِ تشنگی

نہرِ سنارت صرف مجھی پر ہی بند تھی
میدانِ کارزار میں واصف اسے نہ ڈھونڈ
پانے ہی گھر کے صحن میں جس کی زقند تھی

چسانہ پانی میں یوں اُتر آیا
کوئی پردہ سی جیسے گھر آیا
دل میں جب حرفِ آرزو نہ رہا
دیدہ تر میں تب اثر آیا
میں بھی اپنے خیال میں گم تھا
وہ بھی کھویا ہوا نظر آیا
یوں تو مجرم تھے سب برابر کے
سارا الزام ایک پر آیا
کتنے منظرِ نظر سے گزرے ہیں
عید کا چاند جب نظر آیا
بل گئے ہونٹ اُس مسافر کے
تیرے کونچے سے جو گزر آیا
ہم سفرِ منزلوں پہ جا پہنچے
ایک واصفت نہ راہ پر آیا

آپ جس دن سے مہربان ٹھہرے
بہم عذابوں کے درمیاں ٹھہرے
وقت بحرِ سال میں گزرتا ہے
وقت کا قافلہ کہاں ٹھہرے
آنسوؤں میں شباب ڈھل جائے
پانیوں میں کہاں کہاں ٹھہرے
پاؤں سے جب زمیں نکل جائے
سر پہ کیوں بارِ آسماں ٹھہرے
اب ترا نام لب پہ ہے واصفت
اب کہاں خسلق کی زباں ٹھہرے

رخصت کے وقت صبر کی تلقین کر گیا
ایسا ہی برا مجھے بے دین کر گیا
رکھتا ہے اپنے پاس وہ اب تک مرے خطوط
اپنے خطوط مجھ سے مگر چھپین کر گیا
دامن میں اب تو کچھ بھی انا کے سوا نہیں
میرا غم رو رہی مجھے مسکین کر گیا
دستِ شفا بچھتا تھا میں جس کے ہاتھ کو
وہ اپنے ہاتھ سے مری تکفین کر گیا
وہ شخص جس کو حوصلے میں نے عطا کیے
واصف وہ میرے عزم کی توہین کر گیا

مست پوچھو کہ میں کتنی بلندی سے گرا ہوں
دے مجھے کو دلاسا کہ میں اب ٹوٹ چکا ہوں
تو باعث ہستی بنے تو میں حاصل ہستی
ہائے تابش خورشید میں فترے کی اما ہوں
شادابی گلشن میں وہ مصروفِ طرب ہے
میں درد کے صحرا میں جسے ڈھونڈ رہا ہوں
الفاظ کا مفہوم بدل جائے جہاں پر
اُس صورتِ حالات سے دوچار ہوا ہوں
اب جاں سے گزرنے کا ہے اک مرحلہ باقی
رشتوں کی اذیت کا سفر کاٹ چکا ہوں

ہم نے اپنے دور میں کیا کیا دیکھا ہے
تعبیروں نے خواب سے ناطہ توڑا ہے
چاٹ رہی تھیں کبریں اپنے سورج کو
آنکھوں نے ایسا منظر بھی دیکھا ہے
اک جیسے آنسو ہیں سب کی آنکھوں میں
ہر انسان کا ہر انسان سے رشتہ ہے
تُو نے کیوں ماتھے پہ رکھ لی ہیں آنکھیں
میں نے اپنا حق تجھ سے کب مانگا ہے
وقت سے پہلے وقت بدل جانے کیسے
وقت بدلنے کا بھی موسم ہوتا ہے
جب تازہ پیغام بلا ہے منزل کا
اک اونچی دیوار نے رستہ روکا ہے
اب تو اپنا ہونا بھی مشکوک ہوا
اس نے میرا نام مجھی سے پوچھا ہے
بھیڑ کے اندر کیوں افسردہ بنے واصلت
اس میلے میں ہر انسان اکیلا ہے

قدم قدم پہ تھا اک مرحلہ، میں کیا کرتا
 طویل ہوتا گیا فاصلہ، میں کیا کرتا
 ہر ایک شخص کو تھا زعم رہبری کہتے
 ہنسک رہا تھا مگر قافلہ، میں کیا کرتا
 عین حیات عین عشق اور عین عقبی
 الجھ گیا تھا ہر اک سلسلہ، میں کیا کرتا
 تمہارے ساتھ کے فیصلے کی فرصت تھی
 تمہارے بعد بھلا فیصلہ میں کیا کرتا
 بہت سنبھال کے رکھا تھا دل میں راز ترا
 وہ راز بن گیا جب مسئلہ، میں کیا کرتا
 مجھی سے مانگنے آیا وہ دادِ مجبوری
 اب اُس سے اُس کی جفا کا گلہ، میں کیا کرتا
 وہ آنسوؤں کی زباں جانتا نہ تھا واصفت
 مجھے بیان کا نہ تھا حوصلہ، میں کیا کرتا

پھر نگاہوں کو پیا کس ہے آجا
پھر مرا جی ادا کس ہے آجا
تو حقیقت ہے یا فسانہ ہے
وہم ہے یا قیا کس ہے آجا
سن رہا ہوں میں آہٹیں تیری
تو کہیں آس پیا کس ہے آجا
میں چلو گم سہی فسانوں میں
تو حقیقت شناس ہے آجا
کوئی دعوے نہیں تعلق کا
رحم کی التماس ہے آجا
اب حجابات کی ضرورت کیا
تیرگی کا لب کس ہے آجا
کب سے ہے فتنہ ترا واصفت
کب سے طنے کی آس ہے آجا

اُس کا کیا اختہ بار، اب سو جا
 جا کے آتے کون کب، سو جا
 دل کو ہر آرزو سے خالی کر
 مطمئن ہو کے بے طلب، سو جا
 بے بسی یہ کہ آدمی ہے تو
 تو نہیں ہے کسی کا رب، سو جا
 یہ بھی مسکن و خواب میں آئے
 نیند شاید بنے سبب، سو جا
 بچھو گئے ہیں چراغ محفل کے
 اب کہاں رونق طرب، سو جا
 یاد رکھ اس کو خود کو بھی نہ بھولا
 نصف شب جاگ نصف شب سو جا
 زندگی کا ثبوت دے واصفت
 سو گئے ذی حیات سب، سو جا

میں نے افکار کے چہرے سے بنایا پردہ
کھم بنگاہی کا ترے ذہن پہ چھپایا پردہ
جو حقیقت پس پردہ تھی وہ پردے میں رہی
ہم نے بس چوم کے آنکھوں سے لگایا پردہ
یوں تو رحمت ہے تری تیرے غضب پہ حاوی
پھر بھی محشر میں مار رکنا حشر ایا پردہ
ایک پیغام مجھے سند ہواؤں نے دیا
جب بری چھت پہ گرا آکے پرایا پردہ
اُن درختوں کو خدا رکھے سلامت و اصفت
جن درختوں سے غریبوں نے بنایا پردہ

خوشنویسے رنگ، رنگ سے خوشنویس کال دے
دل کو بھجھا کے شہرِ تمنا اُجال دے
اپنے عمل کا آپ ہی اچھا سا نام رکھ
کچھ نطم نطسرفی نگاہ کو حسن مال دے
کچھ اور ہی طرح سے وہ ہوتی ہیں صورتیں
تاریخ جن کو اپنے لیے خدو خال دے
اپنے سکونِ قلب کا کچھ اہتمام کر
اس خانہِ حسد سے کدورت نکال دے
تیرہ شبی حسدوں سے باہر نکل گئی
واصف اب اپنے درد کا سورج اُچھال دے

وہ میرا ہم سفر ہو ممکن ہے
زندگی یوں بسر ہو ممکن ہے
ہم جسے تیرگی سمجھتے ہیں
وہ لباس سحر ہو ممکن ہے
میرے آنسو بھی خشک ہو جائیں
آنکھ اُس کی بھی تر ہو ممکن ہے
دُغتاً وقت ہی بدل جائے
اتفاقاتاً نظر ہو ممکن ہے
میں نے کعبہ سمجھ لیا جس کو
وہ تراشنگ در ہو ممکن ہے
اب کوئی آرزو نہیں باقی
یہ دُعا کا اثر ہو ممکن ہے
مجھ کو اپنی خبر نہیں واسف
تجھ کو میری خبر ہو ممکن ہے

تلخی زبان تک تھی وہ دل کا برا نہ تھا
 مجھ سے جدا ہوا تھا مگر بے وفاء نہ تھا
 طرفہ عذاب لائے گی اب اس کی بد دعا
 دروازہ جس پہ شہرہ کا کوئی کھلا نہ تھا
 شامل تو ہو گئے تھے بھی اک جلوس میں
 لیکن کوئی کسی کو بھی پہچانتا نہ تھا
 آگاہ تھا میں یوں تو حقیقت کے راز سے
 اظہار حق کا دل کو مگر حوصلہ نہ تھا
 جو آشنا تھا مجھ سے بہت دور رہ گیا
 جو ساتھ چل رہا تھا برا آشنا نہ تھا
 سب چل رہے تھے یوں تو بڑے اعتماد سے
 لیکن کسی کے پاؤں تلے رہتا نہ تھا
 ذروں میں آفتاب نمایاں تھے جن دنوں
 واصف وہ کیا دور تھا، وہ کیا زمانہ تھا

کیوں ٹوٹ گیا تارا ؟
اک دوست بنایا تھا، دشمن ہوا جگ سارا

اب دھڑکن کیوں لاگے ؟
مشکل سے جو باندھے تھے اب ٹوٹ گئے دھاگے

اک بات بتاؤ گے ؟
مُنہ پھیر کے جاتے ہو، کب لوٹ کے آؤ گے ؟

کیا کہتے ہیں ہمسائے ؟
تم نے ہی بلایا تھا، ہم خود تو نہیں آئے

کیوں ٹوٹ گیا سپنا ؟
اپنا جسے سمجھے تھے، وہ شخص نہ تھا اپنا

کابے کو دُباتی دے ؟
آواز تو آتی ہے صورت نہ دکھائی دے

کیوں لب پہ پڑے تالے؟
افسداک ہلا دیں گے اک روز زمیں والے

کیا فسری گاتی ہے؟
بیلے میں بہا آئی بسا جن کو بلاتی ہے

کس طرح کا میلا ہے؟
ہے بھیڑ بڑی نیکن ہر شخص اکیلا ہے

کیوں چھپ گئے سب تارے؟
آنکھوں سے ٹپکتے ہیں دیکھے ہوئے انگارے

پنجابی کلام*

جو کیستی سو آگے آئی دودھ دا دودھ پانی دا پانی
کالی رات وچھوڑے والی ایہو ڈین لے بندے کھانی

آون جساون والا ساہ چُپ کر کے پے جانا راہ
میں رانجھے دی رانجھا میرا چاچا کید وخواہ مخواہ

رات ہنیری، کلہا ٹاپو اتوں ماہ سیالا
میں وچ کلہا بیٹھ کے پیواں اتب جیاتی والا

دستور زالا لے دنیا دا آج کیستیاں تے کل بتیاں نے
اگے آوندیاں اپنے آپ دے جی جھیریاں، وچ دلاں دے نتیاں نے
اتھے خالی جنا ہندیاں جھولیاں نے اوہ رہندیاں سدا بڑبولیاں نے
جہناں بکلاں دے وچ ماہی و سدا اوہ رہندیاں چُپ چپتیاں نے

میرے سرتے انبر ڈگیا میں تارے چُن دی جاں
میں اپنے آپ نوں ڈنگیا میں سپاں دی دی ماں

* پنجابی کلام "بھرے بھڑولے" سے

اڈوی نہیں سماں اُتے اپنے آپ پتنگ
 جہدے ہتھ وچ ڈور لے تیری اوبدیاں خیراں منگ
 ایہہ حیاتی اپنی ساری رُوح تے بُت دا جھگڑا
 رانجھا رانجھا کر دی مرگئی سہرے یار دی منگ

دل دے اندر خانہ کعبہ ساڈا ہویا گھر وچ حج
 آپ امام تے آپ نمازی آپے بانگاں دیواں اُج
 نیڑے آکے ویٹرنے ہاڈے وناں امی تے وس
 دورون چمکاں مارے مسانوں اینویں نہ پیا گج

ساڈی کوٹھی دلانے پا نہیں تے نہ سہی اپوں کھا
 تیری سب خدائی دیکھی اس تو باگلی گل دکھا

اج کل میرے چار چوہیرے تیرے درواں لائے ڈیرے
 جیوں دیوے دی لوتے بیٹھے پیرے دار ہنیرے
 میرے دل دی سب دے منکے، کجھ سماں تے جا چمکے
 باقی رات نے اوس بنا کے پھلاں اُتے کیرے
 ایہدی کجھ تعبیر وی دسو، جم جم جیو، جگ جگ دسو
 میں سفنے وچ کی دیندا ہاں، چھتلاں بیٹھ بنیرے

آپے اپنی رت پنخوڑی آپے رو رو پستی
 دسن والی گل نہیں کوئی، جو بیتی سو بستی
 تیرا دوش نہیں اے کوئی، جو ہوئی اے رتی ہوئی
 ساڈے مال تے چنگی ساڈے اپنے لیکھاں کستی

اکھاں دے وچ دسن والا سوہنا نظر نہ آوے
 دل نون ٹھنڈک دیون والا دل نون آگ لگاوے
 کالی رات جدائی والی اپنا رنگ دکھاوے
 پچھو نہ کیوں کالے ہو گئے شوہے، پیلے ساوے
 ہتھوں باز اڑا کے کسی تھلاں نون ٹر جاوے
 چسلی وا وچھوڑے والی کوئج پئی کر لاوے
 جیہڑا سوچ سمندر وریا، ڈہڈا ڈہڈا جاوے
 شچا موتی سوچ سچی دا مرمر کے ہتھ آوے
 آساں ماری ہیر و چاری زاریاں کر دی جاوے
 رانجھا کن چ مندریاں پا کے آوے یا نہ آوے
 دیوے خوشیاں دے بچھ جاون، غم موسم جد آوے
 دسے شہر نہ ملدے جتھے ڈیرا عشق لگاوے
 کانہوں، کیویں، کد، کی ہویا خلقت پچھیں آوے
 لوکاں نون دس تیرا واسف کیٹری گل سناوے

تصانیف

واصف علی واصف

* کرن کرن سورج — (نثر پارے)

* دل دریا سمندر — (مضامین)

* قطرہ قطرہ تسلیم — (مضامین)

* The Beaming Soul

* عرف عرف حقیقت — (مضامین)

* بھرے بھرے لے — (پنجابی کلام)

* شب زاز — (شاعری)

* بات سے بات — (نثر پارے)

* گفتگو — (سوال جواب)

* گمنام ادیب — (خطوط)



مصنف